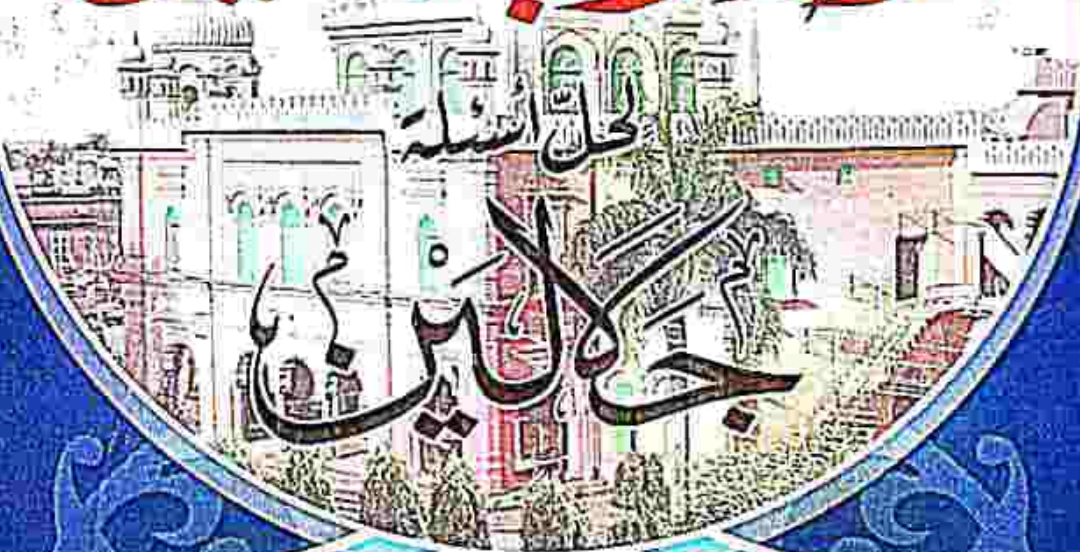


دارالعلوم دیوبند کے داخلہ ششماہی اور سالانہ پرچہ سوالات کا بہترین

فیضانِ حیات



پسند فرمودہ

حضرت مولانا حسین الدین صاحب قاسمی
مہتمم جامعہ انوار الفقہ، بکھور پوٹی

حضرت مولانا راشد صاحب عظیمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

مترجم

امفتی (ولی اللہ) اختر القاسمی (بکھوری)

قائم الخزانہ والفقہ مجددہ فائزہ صدیقیہ قائمہ العلوم للبنات دیوبند



Website: MadarseWala.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

دارالکتاب دیوبند

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں



ٹییلیگرام چینل

@New Madarsa

<https://t.me/NewMadarsa>

یا ٹیلیگرام گروپ

@New Madarsa Group

<https://t.me/NewMadarsaGroup>

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

دارالعلوم دیوبند کے داخلہ، ششماہی اور سالانہ پرچہ سوالات کا بہترین

نُورُ الزَّجَاجِینِ

لِحَلِّ أَسْئَلَةٍ

جَلَالِیْنِ

۲

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی
حضرت مولانا حسین الدین صاحب قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند
مہتمم جامعہ انوار الصفہ شہر بجنور (یوپی)

مترتب

(مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)

خادم الحدیث والفقہ معہد عائشہ الصدیقہ قاسم العلوم للبنات دیوبند

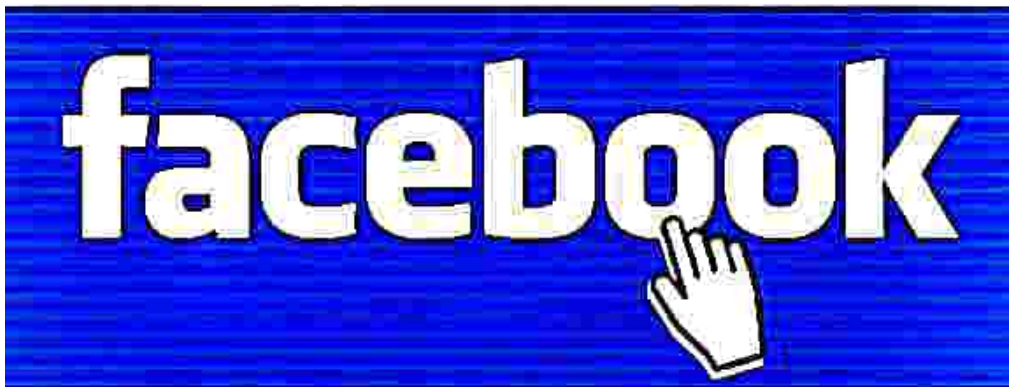
ناشر

دارالکتاب دیوبند

سہارنپور یوپی ۲۳۷۵۵۲



Follow All Social Media Network:



काम देख कर follow करें

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

تفصیلات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب.....:	نور الزجّاجین لُحلّ أسئلة جلالین (دوم)
مرتب.....:	(مفتی) ولی اللہ اختر القاسمی (بجنوری)
طبع اوّل.....:	۱۳۳۸ھ / ۲۰۱۸ء
صفحات.....:	۲۱۶
کمپیوٹر کتابت.....:	عبید کمپیوٹرس دیوبند
مطبع.....:	یاسر ندیم آفسیٹ پریس دیوبند
باہتمام.....:	واصف حسین: مالک دارالکتاب دیوبند

ناشر

دارالکتاب دیوبند

حسن ترتیب

۲۳	سوال (۱)
۲۳	ترجمة العبارة
۲۴	آیت میں مذکور عقود کے احکام کی وضاحت
۲۴	عقود کی اقسام
۲۵	سوال (۲)
۲۵	ترجمة العبارة
۲۶	”المنخنقة، الموقوذة، المتردية، النطيحة، النصب، الازلام“ کی تشریح
۲۷	بندوق سے شکار کئے ہوئے اور ٹرین سے کٹے ہوئے جانور کا حکم
۲۷	سوال (۳)
۲۸	ترجمة العبارة
۲۸	آیت کریمہ کا شان نزول
۲۹	فوائد تفسیر
۳۰	کلب معلم کی صفات
۳۰	اگر کلب معلم کا کیا ہوا شکار مر جائے تو کیا حکم ہے؟
۳۰	سوال (۴)
۳۱	ترجمة العبارة
۳۱	تفسیر العبارة

۳۲	اگر اہل کتاب مسلمان حاکم کے پاس مقدمہ لائیں تو کیا حکم ہے؟
۳۲	سوال (۵)
۳۳	ترجمة العبارة
۳۴	تفسير العبارة
۳۵	”جعل“ کے دونوں مفعول
۳۵	”الحرام“ کی تفسیر ”المحرم“ سے کیوں کی گئی ہے؟
۳۶	”کعبہ.. شہر حرام.. ہدی.. اور.. قلائد“ انسانوں کیلئے سامان بقاء کس طرح ہیں؟
۳۶	”فان جعلہ... الخ...“ سے مفسر کس بات کی دلیل بیان کی ہے؟
۳۷	سوال (۶)
۳۷	ترجمة العبارة
۳۷	”بحيرة، سائبة، وصيلة... اور.. حام“ کی تعریفات
۳۸	ان جانوروں کو زمانہ جاہلیت میں کیوں حرام قرار دیا گیا تھا؟
۳۸	سوال (۷)
۳۸	ترجمة العبارة
۳۹	آیت کریمہ کا شان نزول
۴۰	”شهادة بینکم“ کی خبر کونسا کلمہ ہے؟
۴۰	”او انتم ضربتم... الخ...“ کا محل اعراب کیا ہے؟
۴۰	سوال (۸)
۴۱	ترجمة العبارة

۴۱	آیت کریمہ کا شان نزول
۴۲	تفسیر العبارة
۴۲	”ففاعل“ نکالنے کی وجہ
۴۳	خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق
۴۳	سوال (۹)
۴۴	ترجمة العبارة
۴۴	تفسیر العبارة
۴۵	دوسری آیت کا شان نزول
۴۶	”الذین یخافون“ سے کفار مراد ہیں یا مسلمان؟
۴۷	”لیس لهم“ اور ”یریدون“ کا ذوالحال
۴۷	”وہی محل الخوف“ سے علامہ سیوطی کا کیا مقصد ہے؟
۴۸	سوال (۱۰)
۴۸	ترجمة العبارة
۴۸	تفسیر العبارة
۴۹	”خوض فی الآیات“ کی مراد اور ”غیرہ“ کا ضمیر کا مرجع
۴۹	اسلام یا احکام اسلام کا استہزاء کرنے والوں کی مجالس میں بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟
۵۰	سوال (۱۱)
۵۰	ترجمة العبارة
۵۱	تفسیر العبارة

۵۱	شیاطین الانس والجن، وحی اور زخرف القول کی مراد
۵۲	سوال (۱۲)
۵۲	ترجمة العبارة
۵۲	تفسير العبارة
۵۳	”ولشر کائهم نصیباً“ کے اضافہ کا قرینہ اور ”ای لجهته“ بڑھانے کا فائدہ
۵۳	سوال (۱۳)
۵۳	ترجمة العبارة
۵۳	تفسير العبارة
۵۵	خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق
۵۵	سوال (۱۴)
۵۶	ترجمة العبارة
۵۶	سورة اعراف کی ہے یا مدنی؟
۵۶	”ان تبلغه مخافة ان تکذب“ اور ”ای للانذار به“ سے مفسر نے کیا واضح کیا ہے؟
۵۷	سوال (۱۵)
۵۷	ترجمة العبارة
۵۸	تفسير العبارة
۵۹	”بشراً“ کی قرأتوں کے اختلاف
۵۹	سوال (۱۶)
۶۰	ترجمة العبارة

٦٠	تفسير العبارة
٦١	”متفرقة“ كس كى تفسير هے؟
٦٢	”وفى اخرى... الخ...“ سے مفسر علام كيا فرما رهے هیں؟
٦٦	”وفيه التفات... الخ...“ كا كيا مطلب هے؟
٦٣	سوال (١٤)
٦٣	ترجمة العبارة
٦٣	تفسير العبارة
٦٣	”يستلون“ كى ضمير كا مرجع كيا هے؟
٦٥	غنيمت كس كو كهتے اور اس كا كيا حكم هے؟
٦٥	غنيمت اور نفل ايك هیں يا الگ الگ؟
٦٦	سوال (١٨)
٦٦	ترجمة العبارة
٦٦	آيت ميں مذكور وعيد مطلق هے يا كسى خاص صورت كے معلق هے؟
٦٤	خط كشيدہ الفاظ كى تحقيق
٦٤	سوال (١٩)
٦٨	Website: MadarseWale.blogspot.com Website: NewMadarsa.blogspot.com
٦٨	ترجمة العبارة
٦٨	تفسير العبارة
٦٩	مال غنيمت اور مال فئى ميں كيا فرق هے؟
٤٠	حضور عليه السلام كے بعد خمس مال غنيمت كے مصارف ميں ائمه كا كيا اختلاف هے؟

۷۰	سوال (۲۰)
۷۱	ترجمة العبارة
۷۱	تفسير العبارة
۷۲	جزیہ کی تعریف اور مقدار اور یہ کن لوگوں پر واجب ہوتا ہے اس کا بیان
۷۲	”عن ید“ کا ذوالحال کیا ہے؟ اور ”ای منقادین“ سے مفسر کیا بتانا چاہتے ہیں؟
۷۳	سوال (۲۱)
۷۳	ترجمة العبارة
۷۳	آیت کریمہ کا شان نزول
۷۴	”حتی یتبین“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو منافقین کا علم نہیں تھا؟
۷۴	سوال (۲۲)
۷۴	ترجمة العبارة
۷۵	آیت کریمہ کا شان نزول
۷۵	”مغرمًا“ کا معنی اور ”الامر بمعنی الخیر“ کا کیا مفہوم
۷۶	غزوة تبوک کا مختصر کا واقعہ
۷۷	سوال (۲۳)
۷۸	ترجمة العبارة
۷۸	آیت کریمہ شان نزول
۷۹	جب ان حضرات کی توبہ مقبول ہے تو پھر صدقہ سے تذکیر و تطہیر کا کیا مطلب ہے؟
۷۹	سوال (۲۴)

۸۰	ترجمة العبارة
۸۰	مسجد ضرار کا واقعہ
۸۳	سوال (۲۵)
۸۳	ترجمة العبارة
۸۳	آیت مذکور جن حضرات کے متعلق نال ہوئی ہے ان کا واقعہ
۸۹	”بقريئة“ سے مفسر نے کس بات کو واضح کیا ہے اور ”وعلى الثلاثة“ کا متعلق کیا ہے؟
۸۹	سوال (۲۶)
۹۰	ترجمة العبارة
۹۰	تفسير العبارة
۹۰	فوائد تفسير
۹۲	”عجبا“ کی ذکر کردہ ترکیب کی وضاحت
۹۲	سوال (۲۷)
۹۳	ترجمة العبارة
۹۳	تفسير العبارة
۹۳	”ما قبله“ سے کیا مراد ہے؟
۹۳	”وفي قرائة... الخ...“ میں مذکور قرأت کی وضاحت
۹۳	سوال (۲۸)
۹۵	ترجمة العبارة
۹۶	تفسير العبارة

۹۶	”کان“ کی تفسیر ”کانہم“ سے کرنے وجہ
۹۷	حال مقدرہ کی وضاحت
۹۷	”متعلق الظرف“ کی وضاحت
۹۷	مفسر نے ”فذاک“ کا اضافہ کیوں کیا ہے؟
۹۸	سوال (۲۹)
۹۸	ترجمة العبارة
۹۹	تفسیر العبارة
۱۰۰	سوال (۳۰)
۱۰۰	ترجمة العبارة:
۱۰۱	کیا حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے ہم کے فرق تھا؟
۱۰۲	کیا مذکورہ ہم عصمت انبیاء کے خلاف ہے؟
۱۰۲	آیت کریمہ میں ”برہان ربہ“ سے کیا مراد ہے؟
۱۰۳	کیا ”ہم بہا“ کو ”لولا“ کا جواب بنا سکتے ہیں؟
۱۰۳	سوال (۳۱)
۱۰۴	ترجمة العبارة
۱۰۴	تفسیر العبارة
۱۰۵	برادران یوسف علیہ السلام کے عزیز مصر کی جانب کتنے سفر ہوئے.....
۱۰۵	حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی کیوں نہیں پہچان سکے تھے؟
۱۰۶	سوال (۳۲)

۱۰۶	ترجمة العبارة
۱۰۷	تفسير العبارة
۱۰۷	فوائد تفسير
۱۰۸	آیت میں ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟
۱۰۸	امن اور اطمینان میں کیا فرق ہے؟
۱۰۸	سوال (۳۳)
۱۰۹	ترجمة العبارة
۱۰۹	آیت کریمہ کی تفسیر
۱۱۰	اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے.....
۱۱۰	سوال (۳۴)
۱۱۱	ترجمة العبارة
۱۱۱	تفسير العبارة
۱۱۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعاء کب مانگی تھی؟
۱۱۲	”ربنا“ کیوں منصوب ہے نیز ”لیقیموا“ کس سے متعلق ہے؟ اس کی وضاحت
۱۱۲	سوال (۳۵)
۱۱۳	ترجمة العبارة
۱۱۳	تفسير العبارة
۱۱۳	”مہطعین“ کے ذوالحال کی وضاحت
۱۱۳	خط کشیدہ الفاظ کے لغوی اور مرادی معنی

۱۱۵	سوال (۳۶)
۱۱۵	ترجمۃ العبارة
۱۱۵	تفسیر العبارة
۱۱۷	آیات مذکورہ کس موقع پر نازل ہوئی ہے؟
۱۱۸	”هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ“ اور ”أَهْلِكْنَا كُلًّا مِنْهُمْ بِآفَةٍ“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۱۱۸	سوال (۳۷)
۱۱۹	ترجمۃ العبارة
۱۱۹	آیت کریمہ میں وحی کا مطلب
۱۱۹	”ذَلَالًا“ حال کا ذوالحال
۱۲۰	شہد کا فائدہ
۱۲۰	سوال (۳۸)
۱۲۰	ترجمۃ العبارة
۱۲۱	تفسیر العبارة
۱۲۱	”غزلها“ کے بعد ”ماغزلته“ کے اضافہ کرنے کی وجہ
۱۲۱	خط کشیدہ الفاظ کے لغوی معنی
۱۲۲	سوال (۳۹)
۱۲۲	ترجمۃ العبارة
۱۲۲	تفسیر العبارة
۱۲۳	سوال (۴۰)

۱۲۳	ترجمة العبارة
۱۲۴	تفسير العبارة
۱۲۵	سورة كهف کے فضائل
۱۲۵	”هو الوصف بالجميل“ کے بعد ”ثابت“ مقدر ماننے کی وجہ
۱۲۶	”افيدھا الثالث“ کا مطلب
۱۲۶	لفظ ”عوجاً“ کی تحقیق
۱۲۶	”قيماً“ کے معنی
۱۲۶	سوال (۴۱)
۱۲۷	ترجمة العبارة
۱۲۷	”هل المراد“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۱۲۸	”قيماً... مستقيماً حال ثانية مؤكدة“ کی وضاحت
۱۲۹	سوال (۴۲)
۱۲۹	ترجمة العبارة
۱۲۹	اصحاب كهف کا مختصر واقعہ
۱۳۰	اصحاب كهف کو اصحاب رقيم کیوں کہا جاتا ہے؟
۱۳۱	”خبير كان“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۱۳۱	”ليس الامر كذلك“ سے کس جانب اشارہ کیا ہے؟
۱۳۱	سوال (۴۳)
۱۳۲	ترجمة العبارة

۱۳۲	اصحاب کہف نے ”فقالوا ربنا“ کس موقع پر کہا تھا؟
۱۳۳	”شططا“ کے لغوی معنی اور ”قولا ذا شططا“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۱۳۳	”فمن اظلم“ کی تفسیر مفسر نے ”لا احد اظلم“ سے کس معنی کر کی ہے؟
۱۳۳	سوال (۳۳)
۱۳۴	ترجمة العبارة
۱۳۴	تفسیر العبارة
۱۳۵	خط کشیدہ کی لغوی تحقیق
۱۳۵	سوال (۳۵)
۱۳۶	ترجمة العبارة
۱۳۶	”سیتقو لون“ کی ضمیر کا مرجع اور آیت کریمہ کی تفسیر
۱۳۷	”الجملة من مبتداء... الخ...“ کا مطلب
۱۳۷	اصحاب کہف کس دین پر تھے؟
۱۳۸	سوال (۳۶)
۱۳۸	ترجمة العبارة
۱۳۹	آیت کریمہ کا شان نزول
۱۴۰	استثناء کے سلسلے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کا مذہب؟
۱۴۰	”رشداً“ کیوں منصوب ہے اور ”وقد فعل“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۱۴۱	سوال (۳۷)
۱۴۱	ترجمة العبارة

۱۴۲	آیت کریمہ کے شان نزول کا مصداق
۱۴۲	”کلنا الجنة..... الخ.....“ کی مکمل ترکیب
۱۴۳	آیت کریمہ کے آخر میں موجود لفظ ”ثمر“ کا مصداق
۱۴۳	سوال (۴۸)
۱۴۴	ترجمة العبارة
۱۴۴	آیت کریمہ میں مذکور واقعہ صرف تمثیل ہے یا حقیقت ہے؟
۱۴۴	آیت کریمہ میں مذکور واقعہ کی مختصر وضاحت
۱۴۶	”ہو یحاورہ“ کی ترکیب اور ”لکنا“ کی تعلیل
۱۴۶	ضمیر شان اور ضمیر قصہ کس کو کہتے ہیں؟
۱۴۶	سوال (۴۹)
۱۴۷	ترجمة العبارة
۱۴۷	”واضرب“ کے دونوں مفعولوں کی تعیین
۱۴۷	مشبہ اور مشبہ بہ کی وضاحت
۱۴۸	سوال (۵۰)
۱۴۹	ترجمة العبارة
۱۴۹	تفسیر العبارة
۱۴۹	فوائد تفسیر
۱۵۰	”واذ قلنا“ میں ”اذ“ کونسا ہے؟
۱۵۱	”وابليس ابو الجن“ سے مفسر علام کیا کہنا چاہتے ہیں؟

۱۵۱	بیر اللہ کو سجدہ کرنا ناجائز ہے پھر ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون کیوں قرار دیا گیا؟
۱۵۱	سجدہ تعظیمی کا کیا حکم ہے
۱۵۲	سوال (۵۱)
۱۵۲	ترجمہ العبارة
۱۵۳	تفسیر العبارة
۱۵۴	”الانسان.... الناس..... اور..... الهدی“ کا مصداق
۱۵۴	سوال (۵۲)
۱۵۴	ترجمہ العبارة
۱۵۵	متعلقہ واقعہ پر مختصر روشنی
۱۵۶	”عبداً“ کا مصداق اور ”رحمة“ کی مراد اور ”علماً“ سے کونسا علم مراد ہے اس کی تعیین
۱۵۶	سوال (۵۳)
۱۵۷	ترجمہ العبارة
۱۵۷	سکندر ذوالقرنین کی حیات مبارکہ
۱۵۸	”وغروبها فی العین“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۱۵۹	سوال (۵۴)
۱۵۹	ترجمہ العبارة
۱۶۰	آیت کریمہ میں مذکور واقعہ پر مختصر روشنی
۱۶۰	یا جوج و ماجوج کون ہیں؟
۱۶۱	ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ

۱۶۱	سوال (۵۵)
۱۶۲	ترجمة العبارة
۱۶۲	تفسير العبارة
۱۶۳	”اف حسب“ میں ہمزہ اور فاکس غرض کیلئے ہیں اور ”حسب“ کے....
۱۶۳	تمیز واحد ہوتی ہے مگر یہاں ”اعمالاً“ جمع کیوں لائی گئی ہے؟
۱۶۳	سوال (۵۶)
۱۶۳	ترجمة العبارة
۱۶۳	آیت کریمہ میں مذکور واقعہ
۱۶۵	فوائد تفسیر
۱۶۶	سوال (۵۷)
۱۶۷	ترجمة العبارة
۱۶۸	آیت میں مذکور حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ کا حصہ
۱۶۸	مفسر نے ”صوما“ تفسیر ”امسا کا“ سے کیوں کی ہے....
۱۶۸	کیا صوم امساک اب بھی مشروع ہے؟
۱۶۹	سوال (۵۸)
۱۶۹	Website: MadarseWale.blogspot.com
۱۶۹	Website: NewMadarsa.blogspot.com
۱۶۹	ترجمة العبارة
۱۷۰	تفسير العبارة
۱۷۰	نصاری کے فرقوں کی وضاحت
۱۷۰	”من اقامة الظاهر.... الخ....“ سے مفسر نے کس شبہ کو دور کیا؟

۱۷۱	خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق
۱۷۱	سوال (۵۹)
۱۷۲	ترجمہ العبارة
۱۷۲	فوائد تفسیر
۱۷۳	”انما نعد لهم“ کی نحوی ترکیب تحریر کریں اور ”واتخذوا“ کی ضمیر کا مرجع
۱۷۳	سوال (۶۰)
۱۷۳	ترجمہ العبارة
۱۷۴	تفسیر العبارة
۱۷۴	”تنشق“ اور ”هدا“ کی لغوی تشریح اور ”من هذا القول“ کی مراد
۱۷۴	سوال (۶۱)
۱۷۵	ترجمہ العبارة
۱۷۵	تفسیر العبارة
۱۷۶	استفہام تقریر کا مطلب
۱۷۶	”وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى“ کی ترکیب
۱۷۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں زیادہ باتیں کیوں بیان کی؟
۱۷۷	سوال (۶۲)
۱۷۷	ترجمہ العبارة
۱۷۸	تفسیر العبارة
۱۷۹	ایک سوال اور اس کا جواب

۱۷۹	آیت میں مذکور واقعہ فرعون کے دربار کا ہے یا اس سے پہلے کا؟
۱۸۰	حیة، جان اور شعبان کا باہمی فرق اور ان کے مابین تطبیق
۱۸۰	”فاذہی حیة تسعی“ کی ترکیب
۱۸۱	سوال (۶۳)
۱۸۱	ترجمہ العبارة
۱۸۲	تفسیر العبارة
۱۸۲	حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کو ”یا اخی“ کے بجائے ”یبنوم“ کیوں کہا تھا؟
۱۸۳	سوال (۶۴)
۱۸۳	ترجمہ العبارة
۱۸۳	حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے یہ بات کب اور کس سے ارشاد فرمائی تھی
۱۸۵	سوال (۶۵)
۱۸۵	ترجمہ العبارة
۱۸۶	تفسیر العبارة
۱۸۶	مفسر نے ”مصدر بمعنی ضيقة“ سے کس شبہ کو دور کیا ہے؟
۱۸۷	”نفسی“ میں نسیان سے کیا مراد ہے؟
۱۸۷	سوال (۶۶)
۱۸۷	ترجمہ العبارة
۱۸۸	تفسیر العبارة
۱۸۸	آیت کریمہ کی راجح تفسیر

۱۸۹	سوال (۶۷)
۱۸۹	ترجمة العبارة
۱۹۰	تفسير العبارة
۱۹۱	خط كشيدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق
۱۹۱	مذکورہ دونوں فیصلوں میں دفع تعارض
۱۹۱	کیا مذکورہ فیصلہ اجتہادی تھا؟
۱۹۲	سوال (۶۸)
۱۹۲	ترجمة العبارة
۱۹۳	تفسير العبارة
۱۹۳	ذوالکفل کون تھے اور ان کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟
۱۹۳	مفسر نے ”مغاضبا“ کی تفسیر ”غضبان“ سے کیوں کی ہے؟
۱۹۳	”ان لن نقدر“ کی تفسیر کی وضاحت
۱۹۵	سوال (۶۹)
۱۹۵	ترجمة العبارة
۱۹۵	تفسير العبارة
۱۹۶	کیا فتح یا جوج و ما جوج کے بعد ہلاک شدہ اقوام کی دنیا میں آمد ممکن ہے؟
۱۹۶	سوال (۷۰)
۱۹۷	ترجمة العبارة
۱۹۷	تفسير العبارة

۱۹۷	”الزبور“ سے کونسی کتاب مراد ہے؟
۱۹۸	”الأرض“ کی تفسیر ”ارض الجنة“ سے کیوں کی گئی ہے؟
۱۹۸	کیا آیت کریمہ میں ”ارض... سے... ارض الدنیا“ مراد لے سکتے ہیں؟
۱۹۸	”عالمین“ کی تفسیر ”الانس والجن“ سے کیوں کی گئی ہے؟
۱۹۹	سوال (۷۱)
۱۹۹	ترجمة العبارة
۲۰۰	تفسیر العبارة
۲۰۰	آیت کریمہ میں مذکور زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا یا قیامت کے دن؟
۲۰۱	”یوم“ کا ناصب کیا ہے اور نشہ سے کیسا نشہ مراد ہے؟
۲۰۱	سوال (۷۲)
۲۰۱	ترجمة العبارة
۲۰۲	یہ آیات کس کے متعلق نازل ہوئی ہیں؟
۲۰۲	یوم بدر کی مراد، تاریخ اور سن کی تعیین اور ”عطف“ کے لغوی معنی
۲۰۲	سوال (۷۳)
۲۰۳	ترجمة العبارة
۲۰۳	آیت کریمہ ”هذان خصمان“ کا شان نزول
۲۰۳	تفسیر العبارة
۲۰۶	”الكفار الخمسة“ کی مراد اور ”هو يطلق... الخ...“ ذکر کرنے کی وجہ
۲۰۶	سوال (۷۴)

۲۰۶	ترجمة العبارة
۲۰۷	تفسير العبارة
۲۰۷	”فلا استثناء منقطع.... الخ....“ کی توجیہ
۲۰۸	سوال (۷۵)
۲۰۸	ترجمة العبارة
۲۰۹	تفسير العبارة
۲۱۰	مذکورہ تفسیر کے متعلق جمہور کی رائے ہے؟
۲۱۰	سوال (۷۶)
۲۱۱	ترجمة العبارة
۲۱۱	تفسير العبارة
۲۱۲	”تسبق“ کا فاعل اور ”تترا“ کے لغوی معنی اور اس کے نصب کی وجہ
۲۱۲	”ذکر الضمیر“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟
۲۱۲	سوال (۷۷)
۲۱۳	Website:MadarseWale.blogspot.com
۲۱۳	Website:NewMadarsa.blogspot.com
۲۱۵	سو کوڑوں کے ساتھ تغریب عام کی سزا کی کس کا مذہب ہے؟
۲۱۵	خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے یا نہیں؟



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿سوال ۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹۴﴾

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ) الْعُهُودِ الْمُؤَكَّدَةِ الَّتِي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ
اللّٰهِ وَالنَّاسِ (أَحَلَّتْ لَكُمْ بِهِمَّةَ الْأَنْعَامِ) الْبَابِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ أَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ
(إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ) تَحْرِيمِهِ فِي "حُرْمَتُ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةِ" الْآيَةِ فَالِاسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ
وَيَحُوزُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهِ (غَيْرَ مُحَلِّي الصَّيْدِ
وَأَنْتُمْ حُرْمٌ) أَيُّ مُحْرَمُونَ وَنَضَبٌ غَيْرَ عَلَى الْحَالِ مِنْ ضَمِيرِ لَكُمْ
(إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ)

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ میں عقود کے متعلق جو حکم
مذکور ہے اس کی وضاحت تحریر کریں (ج) عقود کی اقسام تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو یعنی ان محکم قول و قراروں کو پورا کرو جو تم نے اللہ سے
اور انسانوں سے کئے ہیں، تمہارے لئے مویشی چوپایوں مثلاً اونٹ، گائے اور بکری (وغیرہ) کو
ذبح کر کے کھانا حلال کر دیا گیا ہے، مگر وہ جانور حلال نہیں کئے گئے جن کی حرمت تم کو آئندہ آیت
"حرمت علیکم المیتة" میں بتائی جا رہی ہے یہ استثناء منقطع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ متصل
ہو، اور تحریم موت وغیرہ کے عارض ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن حالت احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو
یعنی جب تم محرم ہو، اور "غیر"..... "کم" (کی طرف لوٹنے والی) ضمیر سے حال ہونے کی وجہ
سے منصوب ہے، اللہ تعالیٰ حلت (وحرمت) کے جو احکام چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ میں مذکور عقود کے احکام کی وضاحت:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے ایفائے عقود یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنے عہد کو پورا کرو، عہد کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بد عہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے اللہ رب العزت سے کئے ہیں، جب کسی نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے یہ عہد کر لیا کہ میں اللہ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہونگے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی موجود ہوں اور خواہ اللہ رب العزت نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجا ہو میرے اوپر ان سب کی تعمیل کرنا ضروری ہے۔

جواب (ب)

عقود کی اقسام:

واضح رہے کہ عقود کی پانچ قسمیں ہیں (۱) عقد نکاح (۲) عقد شرکت (۳) عقد بیعین، یعنی قسم (۴) عقد حلف، حلف سے آپس میں ایک دوسرے کا حلیف ہونا مراد ہے (۵) عقد عہد، یعنی وہ وعدہ جو آپس میں کر لیا جاتا ہے، یہ عقد اگرچہ دونوں جانب سے نہ ہو تب بھی قابل عمل ہے، جماعتوں یا حکومتوں کے جو باہمی معاہدات ہیں یا دو انسانوں کے آپس میں جو معاملات ہیں نکاح اور شرکت اور مضاربت اجازہ وغیرہ ان سب معاہدات میں ان سب شرطوں کی پابندی لازم اور ضروری ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹۴﴾

(حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ) أَي أَكْلَهَا (وَالدَّمُ) أَي الْمَسْفُوح كَمَا فِي الْأَنْعَامِ
 (وَاللَّحْمُ الْخَنزِيرِ وَمَا أَهْلٌ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ) بِأَنْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِ غَيْرِهِ (وَالْمُنْخَنَقَةُ
 وَالْمَوْقُودَةُ وَالْمُتْرَدِيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ) مِنْهُ (إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ) أَي أَدْرَكْتُمْ
 فِيهِ الرُّوحَ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ فَذَبَحْتُمُوهُ (وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصْبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا
 بِالْأَزْلَامِ ذَلِكَ فِسْقٌ) خُرُوجٌ عَنِ الطَّاعَةِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ”المنخنقة، الموقودة،
 المتردية، النطيحة، النصب... اور... الازلام“ کی تشریح کرتے ہوئے ہندوق سے شکار کئے
 ہوئے جانور اور ٹرین سے کٹے ہوئے جانور کا کیا حکم ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

تمہارے لئے مردار اور ہننے والا خون حرام کر دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ انعام میں
 مذکور ہے، اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو بایں
 صورت کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو حرام کر دیا گیا ہے اور اس جانور کا کھانا
 جو گلا گھٹ کر مر اہوا اور اس کا کھانا جو چوٹ کھا کر مر اہوا اور اس کا کھانا جو اوپر سے گر کر مر
 ہو، اور اس کا کھانا جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر اہوا اور اس کا کھانا جسے کسی
 درندہ نے کھالیا ہو حرام کر دیا گیا ہے، الا یہ کہ تم ان مذکورہ جانوروں کو ذبح کر لو تو یہ حرام
 نہیں ہیں اور اسی طرح وہ جانور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو حرام کر دیا گیا ہے
 اور تیروں کے ذریعہ قسمت آزمائی کرنا (بھی) حرام کر دیا گیا ہے یہ کام کرنا فسق ہے یعنی
 اطاعت سے خروج کرنا ہے۔

جواب (ب)

”المنخنة، الموقوذة، المتردية، النطيحة، النصب، الازلام“ کی تشریح:

قوله: المنخنة...

یہ اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے اور باب انفعال اور باب نصر سے استعمال ہوتا ہے، باب انفعال سے اس کا مصدر ”انخنق“ اور باب نصر سے ”خنقاً“ آتا ہے، بمعنی کسی کا گلا گھونٹنا، یہاں اس سے وہ جانور مراد ہے جو گلا گھونٹ کا کریا گردن مڑوڑ کر مادیاجاتا ہے یا خود ہی کسی جال وغیرہ میں پھنس کر مر جاتا ہے۔

قوله: الموقوذة.....

یہ باب ضرب سے اسم مفعول واحد مؤنث کا صیغہ ہے، بمعنی چوٹ کھا کر مرا ہو جانور، یہاں اس سے مراد وہ جانور ہے جو کسی شدید چوٹ مثلاً لاشی یا پتھر وغیرہ سے مر جاتا ہے۔

قوله: المتردية.....

یہ باب تفعیل سے اسم فاعل واحد مؤنث کا صیغہ ہے، بمعنی اونچائی سے گر کر مرنے والا جانور، یہاں اس سے مراد پہاڑ وغیرہ یا کسی بلندی سے گر کے مرنے والا جانور ہے۔

قوله: النطيحة.....

یہ ”فَعِيلَة“ کے وزن پر صیغہ صفت ہے اور باب فتح و نصر سے استعمال ہوتا ہے، بمعنی وہ جانور جو دوسرے کے سینگ کی چوٹ سے مرا، یہاں اس سے مراد کسی جانور کے سینگ کی چوٹ یا گاڑی وغیرہ کی ٹکر سے مرنے والا جانور ہے۔

قوله: النصب....

یہ ”انصاب“ کی جمع ہے، بمعنی بت، یہاں اس سے مراد کفار مکہ کے تین سو ساٹھ بت ہیں جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے ناموں پر جانور قربان کیا کرتے تھے۔

قوله: الا زلام....

یہ ”زلم“ کی جمع ہے، زلم بغیر پر اور اٹنی کے چھوٹے تیروں کو کہا جاتا ہے، یہاں اس سے مراد کفات مکہ کے وہ تیر ہیں جو کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور جن سے یہ لوگ قال نکالا کرتے تھے۔ بندوق سے شکار کئے ہوئے اور ٹرین سے کٹے ہوئے جانور کا حکم:

واضح رہے کہ بندوق سے شکار کئے ہوئے یا ٹرین سے کٹے ہوئے جانور کا کھانا جبکہ اسے شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے اور یہ جانور موقوذہ کے حکم میں داخل ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۹۵﴾

(يَسْئَلُونَكَ) يَا مُحَمَّد (مَاذَا أُجِلَّ لَهُمْ) مِنَ الطَّعَامِ (قُلْ أُجِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبُ) (الْمُسْتَلَذَاتُ) (وَ) صَيْدٍ (مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ) الْكَوَاسِبِ مِنَ الْكِلَابِ وَالسَّبَاعِ وَالطَّيْرِ (مُكَلِّبِينَ) حَالَ مِنْ كَلَّبْتَ الْكَلْبَ بِالتَّشْدِيدِ أَيْ أُرْسَلَتْهُ عَلَى الصَّيْدِ (تُعَلِّمُونَهُنَّ) حَالَ مِنْ ضَمِيرٍ مُكَلِّبِينَ أَيْ تُؤَدِّبُونَهُنَّ (مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ) مِنْ آدَابِ الصَّيْدِ (فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ) وَإِنْ قَتَلْتَهُ بِأَنْ لَمْ يَأْكُلْنَ مِنْهُ بِخِلَافِ غَيْرِ الْمُعَلَّمَةِ فَلَا يَجِلُّ صَيْدَهَا (وَإِذْ ذُكِرُوا اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں

(ج) فوائد تفسیر تحریر کریں (د) کلب معلم کی صفات اور اگر اس کا شکار کیا ہو جانور مر جائے تو اس کی

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لئے کون سا کھانا حلال کیا گیا ہے؟ آپ ان سے بتادیں کہ تمہارے لئے پاکیزہ لذیذ چیزیں حلال کر دیں گئیں ہیں اور ان شکاری جانوروں کا کیا ہوا شکار جن کو تم نے سدھایا ہے تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے (یہ شکاری جانور) خواہ کتے ہوں یا درندے یا پرندے، بشرطیکہ تم ان کو شکار کے پیچھے چھوڑو ”مکلبین“..... ”علمتم“ کی ضمیر سے حال واقع ہے، اور یہ ”کلبت الکلب“ بالتشدید سے ماخوذ ہے ”ای ارسلته علی الصيد“ جبکہ تم نے اللہ کے سکھائے ہوئے آدابِ صید میں سے ان کو سکھایا ہو ”تعلمونہن“..... ”مکلبین“ کی ضمیر سے حال واقع ہے ”ای تؤدبونہن“ پس تم اس شکار کو کھا سکتے ہو جو اس جانور نے تمہارے لئے کیا ہے، خواہ اس کو مار ہی کیوں نہ ڈالا ہو بشرطیکہ اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو، برخلاف بغیر سدھائے ہوئے شکاری جانور کے کہ اس کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہے، اور صید معلم کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ صاوی میں مذکور ہے یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پاس آنا چاہتے تھے مگر حاضر نہیں ہوئے اور عرض کیا کہ جس گھر میں کتابت تصویر ہوتی ہے اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں حضور علیہ السلام نے یہ سن کر ایک صحابی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کے تمام کتے قتل کرنے کا حکم دیدیا، حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے جب کتوں کا قتل کرنا شروع کیا تو لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معلوم کیا کہ ہمارے لئے کتا رکھنا کسی صورت میں جائز ہے یا مطلقاً حرام ہے، اس

پر اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ کو نازل فرمایا اس کے بعد آپ علیہ السلام نے شکاری اور حفاظتی کتوں کو رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ (کمالین ۲/۳۵..... حاشیہ الصاوی ۲/۹۴)

جواب (ج)

فوائد تفسیر:

قولہ: مستلذات....

اس جملے سے مفسر علیہ الرحمۃ نے ”طیبات“ کی تفسیر کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں ”طیبات“ سے لذیذ اور پاکیزہ چیزیں مراد ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی حرمت کتاب و سنت یا اجماع امت سے ثابت نہ ہو طیبات میں شمار ہوتی ہے، جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ یہ فرماتے ہیں طیبات میں صرف وہ چیزیں شمار ہوتی ہیں جن کو عموماً طبع سلیم پسند کرتی ہے اور ان میں کسی طرح کی نجاست نہیں ہوتی ہے۔

قولہ: صید.....

اس جملے سے مفسر نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ میں ”ما علمتم من الجوارح“..... ”الطیبت“ پر معطوف ہے اور ”علمتم“ کا مضاف ”صید“ محذوف ہے۔

قولہ: الكوا سب....

اس جملے سے مفسر نے ”الجوارح“ کی تفسیر کی ہے، کوا سب محنتی جانور کو کہا جاتا ہے، واضح رہے کہ اگر آیت کریمہ میں ”الجوارح“ کو ”جرح“ سے مشتق مانیں تو پھر کوا سب کے معنی پھاڑ کھانے والے درندے اور پرندے کے ہوں گے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اور اگر اس کو ”جراحة“ بمعنی زخم لگانے سے مشتق مانیں تو پھر کوا سب سے وہ جانور مراد ہوں گے جو زخم لگا کر شکار کرتے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے یہی معنی مراد لئے اسی لئے آپ کے نزدیک صید معلم کا شکار کیا ہو جانور بغیر ذبح کے اسی وقت حلال ہوتا ہے جبکہ اس نے زخم لگا کر اس کو پکڑا ہو اور دم مسفوح نکل گیا ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر آپ کے

نزدیک شکار جائز نہیں ہے۔

جواب (د)

کلب معلم کی صفات:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلب معلم کی صفات کیا ہیں؟ تو اس کا جواب خود مفسر علیہ الرحمۃ نے دیا ہے، آپ فرماتے ہیں.....

”وَعَلَامَتُهَا أَنْ تَسْتَرْسِلَ إِذَا أُرْسِلَتْ وَتَنْزَجِرَ إِذَا رُجِرَتْ وَتُمْسِكُ الصَّيْدَ وَلَا تَأْكُلُ مِنْهُ وَأَقْلَ مَا يُعْرَفُ بِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ“۔

یعنی کلب معلم کی صفات اور علامات یہ ہیں جب اس کو شکار کے پیچھے چھوڑا جائے تو چلا جائے اور جب روکا جائے تو رک جائے اور شکار کرنے کے خود اس میں کچھ نہ کھائے بلکہ مالک کیلئے روکے رکھے پس اگر کوئی کتا ان صفات کا حامل ہے اور یہ علامات اس کے اندر کم از کم تین مرتبہ آزمائی گئی ہیں تو یہ کلب معلم ہے اور اس کا کیا ہوا شکار استعمال کرنا جائز ہے۔
اگر کلب معلم کا کیا ہوا شکار مر جائے تو کیا حکم ہے؟:

واضح رہے کہ اگر کلب معلم نے شکار کو پکڑا اور وہ مر گیا لیکن کلب معلم نے خود اس میں کچھ نہیں کھایا تو شکار بشرطیکہ اس کا دم مسفوح نکل چکا ہو حلال ہے اور اگر کلب معلم نے شکار میں سے خود کھالیا تو یہ شکار حلال نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۰۰﴾

(فَإِنْ جَاءَ وَكَ) لِتَحْكُمَ بَيْنَهُمْ (فَأَحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ) هَذَا التَّخْيِيرُ

مَنْسُوخٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ”وَأَنْ أُحْكَمَ بَيْنَهُمْ“ الْآيَةَ فَيَجِبُ الْحُكْمُ بَيْنَهُمْ إِذَا تَرَأَفُوا إِلَيْنَا

وهو أصح قولی الشافعی ولو ترافعوا الینامع مسلم وحب إجماعاً۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ”جاء وا“ اور ”بینهم“ کی ضائر کے مراجع تحریر کر آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) اہل کتاب اگر کسی مسلمان حاکم کے پاس اپنا مقدمہ لیکر آئیں تو فیصلہ کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول ثانی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی رائے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

پس اگر یہ لوگ آپ کے پاس اپنا فیصلہ کرانے کیلئے آئیں (تو آپ کی مرضی ہے اگر چاہو) تو ان کے درمیان فیصلہ کر دو یا انکار کر دو، یہ اختیار اللہ رب العزت کے ارشاد ”وَأَنْ أَحْكَمَ بَيْنَهُمْ“ کے ذریعہ منسوخ ہے، لہذا اگر وہ فیصلہ کیلئے ہمارے پاس آئیں تو ہمارے لئے ان کے مابین فیصلہ کرنا واجب ہے اور یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا دوسرا صحیح ترین قول ہے اور اگر (یہ لوگ) کسی مسلمان کے ساتھ ہمارے پاس مقدمہ لائیں تو (پھر) بالاتفاق (ہمارے لئے ان کے مابین) فیصلہ کرنا واجب ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

واضح رہے کہ مذکورہ آیت میں ”جاء وا“ اور ”بینهم“ کی ضمیروں کا مرجع یہود مدینہ ہیں اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے، مدینہ منورہ میں یہود کا طریقہ کار یہ تھا کہ لوگوں کے مابین فیصلہ کرانے کیلئے رشوت لیا کرتے تھے فریقین میں جو بھی رشوت دینے کا اشارہ کر دیتا خواہ وہ ظالم ہو تا یا مظلوم اسی کے حق میں فیصلہ کیا کرتے تھے، اللہ رب العزت نے اس آیت کے اول حصہ میں ان کی اسی بری عادت کو بیان کیا ہے اور آیت کے مذکورہ حصہ میں اپنے پاک نبی علیہ السلام کو اس بات کی تقلید کی ہے اگر رشوت کھانے والے یہود فیصلہ کرانے کیلئے

آپ کی خدمت میں آجائیں تو آپ کی مرضی ہے اگر آپ چاہیں تو ان کے مابین فیصلہ کر دیں اور اگر چاہیں تو ان سے اعراض کر لیں اعراض کی صورت میں یہ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے لیکن اگر آپ ان کے مابین فیصلہ کریں گے تو آپ پر انصاف کے ساتھ فیصلہ

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

کرنا لازم ہوگا۔

جواب (ج)

اگر اہل کتاب مسلمان حاکم کے پاس مقدمہ لائیں تو کیا حکم ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اہل کتاب اپنا مقدمہ کسی مسلمان حاکم کے پاس لے آئیں تو کیا اس مسلمان حاکم کو ان کے مابین فیصلہ کرنا لازم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اہل کتاب اپنا مقدمہ از خود کسی مسلمان حاکم کے پاس لے جاتے ہیں تو مسلمان حاکم پر ان کے مقدمہ کی سماعت کرنا اور ان کے مابین فیصلہ کرنا خواہ یہ اس فیصلہ سے راضی ہوں یا نہ ہوں لازم ہے اور یہی حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا صحیح ترین قول ہے جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا فرمانا یہ ہے کہ اگر اہل کتاب مسلمان حاکم کے فیصلہ پر بخوشی راضی ہوں تو مسلمان حاکم پر ان کے درمیان فیصلہ کرنا لازم ہے ورنہ لازم نہیں ہے۔ (کمالین ۲/۷۰)

واضح رہے کہ مذکورہ بالا تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ فریقین اہل کتاب ہوں لیکن اگر ایک فریق مسلمان اور دوسرا اہل کتاب میں سے ہو تو پھر بہر صورت مسلمان حاکم کو ان کے درمیان فیصلہ کرنا لازم ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۱﴾

(جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ) الْمُحَرَّم (قِيَمًا لِلنَّاسِ) يَقُومُ بِهِ أَمْرُ دِينِهِمْ

بِالْحَجِّ إِلَيْهِ وَدُنْيَاهُمْ بِأَمْنٍ دَاخِلِهِ وَعَدَمِ التَّعَرُّضِ لَهُ وَجَبِي ثَمَرَاتٍ كُلِّ شَيْءٍ إِلَيْهِ

(وَالشَّهْرُ الْحَرَامُ) بِمَعْنَى الْأَشْهُرِ الْحُرْمِ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ وَرَجَبٍ قِيَامًا لَهُمْ بِأَمْنِهِمْ مِنَ الْقِتَالِ فِيهَا (وَالْهَدْيِ وَالْقَلَائِدِ) قِيَامًا لَهُمْ بِأَمْنٍ صَاحِبَهُمَا مِنَ التَّعَرُّضِ لَهُ (ذَلِكَ) الْجَعْلُ الْمَذْكُورُ (لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) فَإِنَّ جَعْلَهُ ذَلِكَ لِجَلْبِ الْمَصَالِحِ لَكُمْ أَوْ دَفْعِ الْمَضَارِّ عَنْكُمْ قَبْلَ وَقُوعِهَا دَلِيلٌ عَلَى عِلْمِهِ بِمَا هُوَ فِي الْوُجُودِ وَمَا هُوَ كَائِنٌ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”جعل“ کے دونوں مفعول واضح کریں ”الحرام“ کی تفسیر ”المحرم“ سے کیوں کی گئی ہے؟ اور ”كعبة... شهر حرام... ہدی... اور... قلائد“ انسان کیلئے سامان بقاء کس طرح ہیں تحریر کریں (د) ”فان جعله... الخ...“ سے مفسر کس بات کی دلیل بیان کر رہے ہیں عبارت کی روشنی میں تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اللہ نے کعبہ کو جو بیت محترم ہے لوگوں کے قائم ہونے کا ذریعہ بنا یا ہے بایں طور کہ (لوگ) اس کی بدولت اپنے دینی معاملہ کو حج کے ذریعہ درست کرتے ہیں، اور اپنے دنیوی معاملات کو حرم میں امن کے ساتھ داخل ہونے کے ساتھ کسی قسم کے تعرض نہ کرنے کی وجہ سے درست کرتے ہیں، اور ہر شی کی پیداوار اس کی طرف کھینچی چلی آتی ہے، اور اشہر حرم میں قتال سے مامون رہنے کی وجہ سے (اپنے معاملات کو درست کرتے ہیں) اور یہاں ”الشہر الحرام... الاشہر الحرام“ کے معنی میں ہے اور یہ ذی قعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب (کے مہینے) ہیں، اور (اللہ رب العزت نے) ہدی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے ہوتے ہیں مذکورہ دونوں کے مالکوں کے تعرض سے مامون رہنے کی وجہ سے ان کے حالات درست کرنے کا ذریعہ بنایا ہے اور یہ مذکورہ فعل اس لئے ہے تاکہ تم اس بات کا یقین کر لو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سب کا جاننے والا ہے، پس اس جعل مذکور کو تمہاری مصلحت کے حصول یا تم سے دفع

مضرت سے پہلے متعین کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت موجودہ اور آئندہ چیزوں سے واقف ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے کعبہ سے حاصل ہونے والی دینی اور دنیوی برکتوں کو بیان کیا ہے، کعبہ کو بیت الحرام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی حدود میں شکار کرنا اور درخت وغیرہ کا ثنا حرام ہے اور اس کے لوگوں کے لئے قیام اور گزران کے باعث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ اور اس کے متعلقات لوگوں کی دینی و دنیوی بقاء کے اسباب اور ذرائع ہیں۔

اب یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے لفظ ”الناس“ ارشاد فرمایا ہے ”الناس“ اگرچہ عام انسانوں کیلئے بولا جاتا ہے مگر قرینہ کی وجہ سے یہاں اس سے اہل مکہ مراد ہیں البتہ بعض مفسرین نے اس سے تمام اہل عرب اور بعض نے عام دنیا کے انسان بھی مراد لئے ہیں اور اپنے اس قول پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ بیت اللہ شریف کحج کا پورے عالم کی اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے اس لئے یہاں ”الناس“ سے پورے عالم کے انسان مراد ہیں۔

واضح رہے کہ انسانوں کو بیت اللہ سے جو برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ زمانی اور مکانی دونوں قسم کی ہوتی ہیں زمانی سے مراد اشہر حرم یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں ان مہینوں سے لوگوں کو اس طرح برکت حاصل ہوتی ہے کہ ان میں قتال کرنا ممنوع ہے پس لوگ ان مہینوں میں بلا خوف و خطر ایک جگہ سے دوسری جگہ آسکتے ہیں، اب رہیں مکانی برکتیں تو مکان سے مراد خود بیت اللہ شریف ہے اور اس کے قابل برکت ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے، نیز اس کے علاوہ جو چیزیں بیت اللہ سے متعلق ہیں یعنی ہدی اور قلاند یہ بھی انسانوں ہی کے فائدہ کی چیز ہیں اس لئے یہ بھی لوگوں کیلئے برکت کا ذریعہ ہیں بایں طور کے غریب لوگوں کو ان کے ذریعہ رزق حاصل ہوتا ہے۔

مشہور مفسر حضرت مولانا عاشق الہی صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اس آیت میں کعبہ لوگوں کے قائم رہنے کا اور امن و امان کا ذریعہ بنایا اس کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ کو بہت سے لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بنا ہوا ہے زمین کے دور دراز گوشوں سے لوگ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ آتے ہیں شہر مکہ میں رہتے ہیں منیٰ میں قیام کرتے ہیں عرفات مزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں ان سب کے آنے اور رہنے اور ضرورت کی اشیاء خریدنے کے باعث اہل عرب اور خاص کر اہل مکہ کی معیشت بنی رہتی ہے، اور اس خریداری کے اثرات پورے عالم کی فیکٹریوں اور کمپنیوں پر پڑتے ہیں، پس اس ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ اہل مکہ کے لئے تو قیام اور بقاء کا ذریعہ ہے ہی لیکن بعض اعتبار سے پورے عالم کی بقاء کا بھی ذریعہ ہے بایں طور کہ لوگ اس تک پہنچنے کیلئے بحری اور ہوائی جہاز اختیار کرتے ہیں بسوں اور کاروں کو استعمال کرتے ہیں اور ان پر کڑوڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور ان پیسوں سے عرب و عجم کی مالی آمدنی ہوتی ہے جس سے پورے عالم کو اس کا اقتصادی فائدہ پہنچتا ہے۔ (کمالمین ۲/۱۱۵، ۱۱۶... جمالمین ۲/۲۳۳)

جواب (ج)

”جعل“ کے دونوں مفعول:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں ”جعل“ کے دو مفعول ہیں، پہلا مفعول ”الکعبۃ“ ہے اور دوسرا مفعول ”قیاما“ ہے، اور ”البيت الحرام“ میں ”البيت... الکعبۃ“ سے بدل ہے یا اس کا عطف بیان ہے اور ”الحرام... البيت“ کی صفت ہے۔

(اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۱۲۲)

”الحرام“ کی تفسیر ”المحرم“ سے کیوں کی گئی ہے؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں لفظ ”الحرام“ کی تفسیر ”المحرم“ سے کی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر نے اس جملہ کے ذریعہ مقام حرم کے مقام حرام ہونے کو واضح کیا ہے کہ مفسر کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ حرم کو

حرم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ایک مقام محترم ہے اس کی حدود میں شکار کرنا اور درخت وغیرہ کا ثنا حرام ہے۔

”کعبہ.. شہر حرام.. ہدی.. اور.. قلائد“ انسانوں کیلئے سامانِ بقاء کس طرح ہیں؟:

واضح رہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے ”کعبہ“ کو ”شہر حرام“ کو ”ہدی“ اور ”قلائد“ کو انسانوں کیلئے سامانِ بقاء قرار دیا ہے، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی بیان کردہ یہ تمام چیزیں انسانوں کیلئے سامانِ بقاء کس طرح ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے کعبہ کو امن و امان کا مقام بنایا ہے ہر سال اشہر حرم میں ہزاروں لوگ اس کی زیارت اور حج کیلئے دنیا کے کونے کونے سے آتے اور یہاں اللہ کے راستے میں قربانی پیش کرتے ہیں جس سے نہ صرف ان لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کا دور رس اثر تمام دنیا کے انسانوں اور ان کی معیشت پر بھی پڑتا ہے پس اس اعتبار سے یہ مذکورہ چیزیں انسانوں کے قیام کا ذریعہ ہیں۔

جواب (د)

”فان جعلہ..... الخ.....“ سے مفسر کس بات کی دلیل بیان کی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں ”فان جعلہ..... الخ.....“ سے اللہ رب العزت کے عالم الغیب ہونے کی دلیل بیان کی ہے، دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا کعبہ کو اشہر حرم کو ہدی اور قلائد کو انسانوں کیلئے بقاء کا، نفع کو حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کا ذریعہ بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ عالم الغیب ہے اور اس کو گذری ہوئی اور آئندہ ہونے والی تمام باتوں کا علم ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



سوال ۶
جلالین شریف صفحہ ۱۰۸

(مَا جَعَلَ) شَرَعَ (اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ) كَمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَفْعَلُونَهُ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ”بحیرہ، سائبہ، وصیلہ... اور... حام“ کی تعریفات تحریر کریں (ج) ان جانوروں کو زمانہ جاہلیت میں کیوں حرام قرار دیا گیا تھا؟ تحریر کریں۔

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اللہ رب العزت نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا اور نہ سائبہ کو نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو، جیسا کہ اہل جاہلیت اس کو کیا کرتے تھے۔

جواب (ج)

”بحیرہ، سائبہ، وصیلہ... اور... حام“ کی تعریفات:

واضح رہے کہ: مانہ جاہلیت میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے نام سے جانوروں کی اقسام متعین تھیں، صحیح بخاری شریف میں مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب علیہ الرحمۃ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جن کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا اور کوئی اس کے دودھ کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا، اور سائبہ اس جانور کو کہتے تھے جس کو کفار اپنے بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کسی طرح بار برداری کا کام نہیں لیتے تھے (جیسا کہ آج کل ہندستان کے کفار کا بھی یہی رواج ہے) اور وصیلہ اس نوجوان اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو پہلی اور دوسری بار مادہ بچہ جنتی تھی اور درمیان میں کوئی نر بچہ نہیں آتا تھا، اور حام اور اونٹ کو کہتے تھے جو دس مرتبہ جنتی کر چکا ہوتا تھا اس اونٹ کو بھی کفار بتوں کے نام وقف کر دیتے تھے اور اس سے بھی بار

برداری کام لینا ترک کر دیتے تھے۔

جواب (ج)

ان جانوروں کو زمانہ جاہلیت میں کیوں حرام قرار دیا گیا تھا؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ جانور جن کو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے زمانہ جاہلیت میں کفار نے ان کو حرام قرار کیوں دے رکھا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار ان جانوروں کو قابل تعظیم سمجھتے تھے اور اسی لئے ان جانوروں کو استعمال کرنا وہ حرام گردانتے تھے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال کے﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۰۹﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ
اثنِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ) خَبَرَ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ لِيَشْهَدُوا إِضَافَةً شَهَادَةً لَبِيْنٍ عَلَى الْإِتْسَاعِ
وَحِينَ بَدَلَ مِنْ إِذَا أَوْ ظَرَفَ لِحَضَرَ (أَوْ آخَرَ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ
فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں
(ج) ”شهادة بینکم“ کی خبر کونسا کلمہ ہے اور ”او انتم ضربتم..... الخ.....“ کا محل اعراب
کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آجائے اور وصیت کرنے کا وقت ہو تو اس کے لئے شہادت کا (نصاب) یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو عادل آدمی گواہ بنائے جائیں، خبر بمعنی امر ہے، یعنی ان کو شہادت دینی چاہئے، اور لفظ ”شهادة“ کی اضافت ”بین“ کی جانب

وسعت کی بناء پر ہے، اور ”حین“.... ”اذا“ سے بدل واقع ہے یا ”حضر“ کا ظرف ہے، اور اگر دوران سفر تم پر موت کی مصیبت آجائے تو پھر غیر مسلموں میں سے دو گواہ لے لئے جائیں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مسلمان صحابی جن کا نام بدیل (رضی اللہ عنہ) تھا تمیم اور عدی نامی دونہرانی آدمیوں کے ساتھ تجارت کیلئے ملک شام گئے شام پہنچ کر حضرت بدیلؓ بیمار ہو گئے اور آپؓ نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھ دی مگر اس کی اطلاع اپنے ساتھیوں کو نہ کی جب مرض زیادہ بڑھا تو آپؓ نے اپنے دونوں نصرانی ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا یہ سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا، انہوں نے سب سامان لا کر دارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش و نگار تھے سامان میں سے نکال لیا، وارثوں نے جب سامان کھولا تو اس میں ایک فہرست نکلی وارثوں نے ان دونوں سے معلوم کیا کہ کیا مرنے والے نے کچھ سامان فروخت کیا تھا؟ یا بیماری کے علاج معالجہ میں خرچ ہوا تھا تو اس کا جواب ان دونوں نے نفی میں دیا، آخر معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہیں تھے تو دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی اور نہ اس کی کوئی چیز چھپائی آخر کار ان سے قسم لے کر ان کے حق میں فیصلہ ہو گیا، کچھ روز کے بعد معلوم ہوا کہ ان دونوں نے وہ پیالہ مکہ مکرمہ میں کسی سناہ کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جب ان سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے کہا ہم نے تو میت سے خریدا تھا، چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اسلئے ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا، میت کے وارثوں نے پھر آپ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا، اب صورت حال چونکہ تبدیل ہو گئی تھی اسلئے کہ اب یہ دونوں نصرانی خریداری کے مدعی اور ورثاء منکر تھے، ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہونے کی وجہ سے ورثاء میں سے دو آدمیوں نے قسم کھالی کہ پیالہ میت کی ملکیت تھا، اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں، نتیجتاً ورثاء کے حق میں

فیصلہ ہوا اور جس قیمت پر انہوں نے پیالہ فروخت کیا تھا وہ قیمت ان سے وراثتاً کو دلائی گئی، اس موقع پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ اگر ایسی صورت حال پیش آئے تو اپنے میں سے یا حالت سفر میں غیر مسلموں میں سے دو گواہ بنائے جائیں تاکہ کسی اختلاف کی نوبت نہ آئے۔ (جمالین ۲/۲۴۰)

جواب (ج)

”شہادۃ بینکم“ کی خبر کونسا کلمہ ہے؟

واضح رہے کہ ”شہادۃ بینکم“ کی خبر مضاف کے محذوف ہونے کے ساتھ لفظ ”اثنان“ ہے، اور تقدیری عبارت ”شہادۃ اثنین“ ہے۔

”او انتم ضربتم..... الخ.....“ کا محل اعراب کیا ہے؟

واضح رہے کہ اس جملے کا کوئی محل اعراب نہیں ہے کیوں کہ یہ محذوف کی تفسیر کر رہا ہے بایں طور کہ ”ان انتم“ معطوف کی شرط ہے، اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ”انتم“ اس فعل محذوف جس کی تفسیر ”ضربتم“ کر رہا ہے فاعل ہے اور ”ضربتم“ کا کوئی محل اعراب نہیں ہے اس لئے کہ وہ محذوف کا مفسر ہے۔ (حاشیۃ الصاوی ۲/۱۵۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۴﴾

(وَإِنْ كَانَ كِبْرَ عَلَيكَ إِعْرَاضُهُمْ) عَنِ الْإِسْلَامِ لِجِرْصِكَ عَلَيْهِمْ
 (فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْغِي نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سَلْمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاتِيهِمْ بِأَيَّةٍ)
 مِمَّا اقْتَرَحُوا فَاْفَعَلِ الْمَعْنَى أَنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ ذَلِكَ فَاصْبِرْ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ
 (وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى) وَلَكِنْ لَمْ يَشَأْ ذَلِكَ فَلَمْ يُؤْمِنُوا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول اور تفسیر تحریر کریں (ج) ”فافعل“ نکالنے کی وجہ تحریر کریں (د) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اگر آپ علیہ السلام کو ان کا اسلام سے اعراض کرنا آپ علیہ السلام کے ان پر حریص ہونے کی وجہ سے گراں گزرتا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں سرنگ بنا لیجئے یا آسمانوں میں بیڑھی لگا لیجئے اور ان کا فرمائی معجزہ لے آئیے، مطلب یہ ہے کہ یہ کام آپ علیہ السلام سے نہیں ہو سکتا لہذا خدا کا حکم آنے تک آپ صبر کریں، اور اگر اللہ کو ان کی ہدایت مقصود ہوتی تو ان سب کو ہدایت کی راہ پر جمع کر دیتا، لیکن اس نے یہ نہیں چاہا اس لئے یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

آیت مذکورہ کا شان نزول جیسا کہ صاوی میں مذکور ہے یہ ہے کہ ایک مرتبہ حارث بن نوفل بن عبد مناف قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ انبیاء سابقین کی طرح اپنی نبوت کی تصدیق میں اللہ کی جانب سے کوئی نشانی لے آئیں تو ہم ایمان قبول کر لیں گے لیکن اللہ رب العزت نے اس کے اس مطالبہ کو پورا کرنے سے منع کر دیا اور یہ لوگ ایمان نہیں لائے حضور علیہ السلام چونکہ لوگوں کے ایمان لانے اور جہنم سے بچنے کے متمنی تھے اس لئے آپ علیہ السلام کو ان کا ایمان نہ لانا شاق گذرا جس پر اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ نازل فرمائی اور حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ اللہ رب العزت کا حکم آنے تک صبر کریں اور لوگوں کے ایمان قبول کرنے کے حریص نہ بنیں۔

(حاشیہ الصاوی ۲/۱۷۵)

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ کو بیان کیا ہے، نبی علیہ السلام کو اس بات کی بہت زیادہ حرص رہتی تھی کہ میری قوم اسلام قبول کر لے مگر لوگ ایمان قبول نہیں کرتے تھے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے قوم کے ایمان قبول کرنے کی حرص میں آپ علیہ السلام کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی اگرچہ ان کے پاس قرآن کریم کی صورت میں بہت بڑا معجزہ موجود تھا اور دوسرے معجزات بھی وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے تھے لیکن قریش مکہ مطالبہ ہی کرتے رہتے تھے کہ اور اگر ایسا ہو جائے گا تو ہم مان لیں گے اور ایسا ہو جائے گا تب مان لیں گے ان کے مطالبہ کے مطابق جب فرمائشی معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آپ علیہ السلام کبیدہ خاطر ہوتے تھے اور آپ کو طبعی طور پر ملال ہوتا تھا، اس آیت میں اللہ رب العزت نے آپ علیہ السلام کی اسی عادت کو بیان کے آپ کو تسلی دی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو ان (کفار) کا ایمان سے اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں سرنگ بنا لیجئے یا آسمانوں میں سیڑھی لگا لیجئے اور ان کا فرمائشی معجزہ لے آئیے۔

جواب (ج)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

”ففاعل“ نکالنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے عبات مذکورہ میں ”ففاعل“ کو مقدر مان کر اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ”فان استطعت“ جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب ”ففاعل“ محذوف ہے اور پھر یہ جملہ شرطیہ اپنے جواب سے ملکر شرط اول ”وان کبر علیک... الخ...“ کا جواب ہے، اور تقدیری عبارت یہ ہے ”وان اعظم علیک اعراضہم ولم تکف بالمعجزات التي ظهرت علی یدک فان استطعت ان تاتیہم بآیة ففاعل“ یعنی اگر آپ علیہ السلام پر ان

کفار کا ایمان نہ لانا شاق گزارتا ہے اور ان کیلئے آپ کو عطاء کئے گئے معجزات کافی نہیں ہیں اور آپ ان کے فرمائی معجزات لانے پر قادر ہیں تو لئے آئیے۔ (حاشیہ الصاوی ۲/۱۷۵)

جواب (د)

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق:

”نفقاً“ بمعنی سرنگ، اس کی جمع ”انفاق“ آتی ہے۔
 ”سلمات“ بمعنی سیڑھی، یہ مذکر مؤنث کیلئے یکساں استعمال ہوتا اس کی جمع ”سلامم“ اور
 ”سلامیم“ آتی ہے۔

”اقترحوا“ یہ باب افتعال سے جمع مذکور غائب صیغہ ہے، بمعنی کسی چیز کی خواہش کرنا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۶۱﴾

(وَأَنْذِرْ) خَوْفٍ (بِهِ) أَيُّ بِالْقُرْآنِ (الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ) أَيُّ غَيْرِهِ (وَلِيٍّ) يَنْصُرُهُمْ (وَلَا شَفِيعٌ) يَشْفَعُ لَهُمْ وَجُمْلَةُ النَّفْيِ حَالٌ مِنْ ضَمِيرٍ يُحْشَرُوا وَهِيَ مَحَلُّ الْخَوْفِ وَالْمُرَادُ بِهِمُ الْمُؤْمِنُونَ الْعَاصُونَ (لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ) اللَّهُ بِإِقْلَاعِهِمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ وَعَمَلِ الطَّاعَاتِ (وَلَا تَطْرُدُ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشَىٰ يُرِيدُونَ) بَعِبَادَتِهِمْ (وَجْهَةٌ) تَعَالَى لَا شَيْئًا مِنْ أَعْرَاضِ الدُّنْيَا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیات کریمہ کی تفسیر اور دوسری آیت کا شان نزول تحریر کریں (ج) ”الذین یخافون“ سے کفار مراد ہیں یا مسلمان؟
 تحریر کریں (د) ”لیس لہم“ اور ”یریدون“ ترکیب میں حال ہیں آپ ان کا ذوالحال متعین کریں اور ”وہی محل الخوف“ سے علامہ سیوطی کیا فرمانا چاہ رہے ہیں اس کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور (اے نبی) آپ قرآن کے ذریعہ ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے ایسی حالت میں جائیں گے کہ اس کے سوا نہ ان کا کوئی ولی ہوگا جو ان کی مدد کر سکے اور نہ کوئی شفیع ہوگا جو ان کی سفارش کر سکے، اور نفی کا جملہ ”یحشروا“ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہی خوف کا محل ہے اور اس سے مراد عصاة المؤمنین ہیں، شاید کہ وہ اپنے معمولات کو چھوڑ کر اللہ سے ڈرنے لگیں اور اعمال طاعت کو اختیار کر لیں، اور (اے نبی) آپ ان لوگوں کو مجلس سے نہ نکالنے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور ان کا مقصد اپنی عبادت سے محض خدا کی ذات ہوتی ہے دنیا کی کوئی غرض ان کا مقصد نہیں ہوتی ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

ان آیات کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کی تلقین کی ہے، پہلی بات جس کی تلقین کی ہے یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کے ذریعہ ان لوگوں کو خوف دلائیں جو اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ قیامت میں جب اللہ رب العزت سے ان کی ملاقات ہوگی تو اس وقت ان کا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوگا، واضح رہے کہ یہاں ان لوگوں سے مراد جو قیامت کے متعلق مذکورہ اندیشہ رکھتے ہیں گناہ گار مؤمنین ہیں۔

مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر حق کے متعلق واضح بیانات کے بعد بھی آپ علیہ السلام کے مخاطب لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آئے تو ان سے بحث و مباحثہ کرنا منوقوف کر دیں اور اپنے اصلی کام یعنی حق کی تبلیغ میں مشغول ہو جائیں، اور تبلیغ و انذار کا رخ ان لوگوں کی طرف پھیر دیں جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب و کتاب کا عقیدہ

تورکھتے ہیں لیکن ڈرتے بھی بہت ہیں پس ان لوگوں کو آپ اس قرآن کے ذریعہ ڈرائیں ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے گناہوں کی روش کو ترک کر کے اللہ سے ڈرنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے بن جائیں۔

دوسری بات جس کی تلقین اس آیت میں اللہ رب العزت اپنے پاک نبی علیہ السلام کو کی ہے یہ ہے کہ وہ مؤمنین جو صبح شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کا مقصد صرف اپنے پروردگاری خوشنودی حاصل کرنا اور اس کی ذات کو راضی کرنا ہوتا ہے انہیں آپ اپنی مجلس سے نہ نکالیں (بلکہ انہیں اپنی مجلس میں بیٹھا رہنے دیں)۔

دوسری آیت کا شان نزول:

واضح رہے کہ سوال میں مذکور دوسری آیت ”ولا تطرد الذین الخ.....“ کا شان نزول جیسا کہ معالم التنزیل میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضرت اقرع بن یابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے رؤسا تھے جب یہ لوگ آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ حضرت بلال، صہیب، عمار، خباب اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا، آنے والے رؤسا نے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور آپ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر آپ ممتاز جگہ تشریف فرما ہوتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے تو اچھا ہوتا اس لئے کہ ان کے کپڑوں میں بو آ رہی ہے، ان حضرات کے پاس اس وقت اونی کپڑے تھے اور ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہیں تھے، آپ علیہ السلام نے رؤسا کی بات سن کر ارشاد فرمایا کہ میں مؤمنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں، انہوں نے کہا تو آپ ایسا کیجیے کہ ہمارے لیے کوئی خاص مجلس مقرر فرمادیجیے تاکہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں، ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے

پاس بیٹھا ہوا دیکھیں، جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں اور جب ہم فارغ ہو جائیں تو آپ ان کے ساتھ تشریف فرما رہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں (میں) یہ کر سکتا ہوں (آپ کو رضا مند دیکھ کر) رو سا کہنے لگے کہ آپ ہمیں اس بات کی توثیق تحریر کر دیں، چنانچہ آپ علیہ السلام نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے طلب فرمایا، حضرت سلمان اور خبابؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی وقت حضرت جبرائیلؑ آیت کریمہ ”وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ..... الخ.....“ لے کر نازل ہوئے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ علیہ السلام نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا اور ہم لوگوں کو بلایا ارشاد فرمایا ”سَلِّمْ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ“ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا ہے، اس کے بعد ہم آپ علیہ السلام کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اس پر اللہ رب العزت نے سورہ کہف کی آیت ”وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ“ نازل فرمائی اور آپ علیہ السلام کو اس بات کا حکم دیا کہ جو لوگ اپنے رب کو اس کی خشنودی کی خاطر صبح اور شام پکارتے ہیں آپ ان کے ساتھ جم کر تشریف فرما ہوں، اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد آپ علیہ السلام ہمارے پاس بیٹھے رہتے تھے اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے، تاکہ آپ بلا تکلف اٹھ کر جا سکیں۔ (انوار البیان ۳/۲۱۳)

جواب (ج)

”الذین یخافون“ سے کفار مراد ہیں یا مسلمان؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ کے جملے ”والذین یخافون“ سے کفار مراد ہیں یا مسلمان؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جملے سے کفار مراد نہیں ہیں بلکہ گناہ گار اہل ایمان یا وہ اہل کتاب جو بعث بعد الموت کا اقرار کرتے ہیں مراد ہیں جیسا کہ جلالین شریف کے محشی نے درج

ذیل عبارت میں اس کی تفصیل بیان کی ہے.....

الذین يخافون ان يحشروا الى ربهم هم المسلمون المقرون بالبعث
الانهم مفرطون في العمل فينذرهم بما اوحى اليه او اهل الكتاب
لانهم مقرون بالبعث۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۱۱۶)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

جواب (د)

”لیس لهم“ اور ”یریدون“ کا ذوالحال:

واضح رہے کہ مذکورہ فی سوال آیات کے اندر ”لیس لهم“ اور ”یریدون وجہہ“
ترکیب میں حال ہیں، اور ان میں سے ”لیس لهم“ کا ذوالحال ”یحشروا“ کی ضمیر ہے، اور
”یریدون وجہہ“ کا ذوالحال ”یدعون“ کی ضمیر ہے۔ (اعراب القرآن و بیانہ ۳/۱۲۱)
”وہی محل الخوف“ سے علامہ سیوطی کا کیا مقصد ہے؟:

یہاں ایک سوالیہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے آیات مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے
پہلی آیت کی تفسیر میں ”وہی محل الخوف“ تحریر فرمایا ہے علامہ سیوطی کا اس جملہ سے کیا مقصد
ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے اس جملہ سے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے اور وہ سوال
مقدر یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کو حکم دیا ہے کہ آپ قرآن کریم کے
ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیں جو میدان حشر میں آنے کا خوف رکھتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ حشر لامحالہ
واقع ہونے والی چیز ہے پھر اس سے ڈرنے اور ڈرانے کا کیا مطلب ہے؟ علامہ سیوطی نے ”وہی
محل الخوف“ سے اسی سوال کا جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ محل انداز یعنی خوف بہ ایسی
حالت کے ساتھ میدان حشر میں آنا ہے کہ ساتھ میں کوئی مددگار اور سفارشی موجود نہ ہو، اور اس حالت
کے ساتھ میدان حشر میں آنے سے وہی لوگ ڈر سکتے ہیں جو حشر و نشر پر یقین رکھتے ہیں اس لئے اس
جملہ کے مخاطب مؤمنین بالخصوص گناہ گار اہل ایمان ہیں۔ (جمالین ۲/۲۷۸)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

سوال ۱۰

جلالین شریف صفحہ ۱۱۱

(وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا) الْقُرْآن (فَاعْرِضْ عَنْهُمْ) وَلَا تَجَالِسْهُمْ (حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَائِنْسِيْنَكَ) بِسُكُونِ النُّونِ وَالتَّخْفِيفِ وَفَتْحِهَا وَالتَّشْدِيدِ (الشَّيْطَانُ) فَفَعَدْتَ مَعَهُمْ (فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِ) أَى تَذَكْرَةَ (مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ)۔

(الف) عبارت باعرب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”خوض“ فی الآيات “ کی مراد اور ”غیره“ کا ضمیر کا مرجع متعین کریں (د) اسلام یا احکام اسلام کا استہزاء کرنے والوں کی مجالس میں بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تم دیکھو کہ لوگ ہمارے قرآن کی آیات میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جائیے اور ان کے پاس نہ بیٹھئے یہاں تک کہ یہ دوسری باتوں میں لگ جائیں، اور اگر شیطان آپ کو بھلا دے اور ”یُنْسِيْنَكَ“ نون کے سکون اور تخفیف کے ساتھ اور نون کے فتح اور تشدید کے ساتھ ہے، اور آپ ان کے ساتھ بیٹھ جائیں تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو ایسی مجالس میں بیٹھنے سے منع کا ہے جن میں قرآن کریم یا اسلام اور احکام اسلام کی مذاق بنائی جاتی ہے، عہد نبوت میں بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ مسلمان اور مشرکین ایک جگہ بیٹھ جاتے تھے، اور مشرکین موقع پاتے ہی اہل ایمان کے سامنے



قرآن مجید کا مذاق بنانے اور امور دین پر طعن کرنے لگتے تھے، اس آیت میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تم ان ظالموں کو دیکھو تو ان سے اعراض کرو اور کنارہ کشی اختیار کر لو، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دو اور جب تک یہ اپنی اس حرکت بد کو نہ چھوڑ دیں اور کسی دوسرے کام میں عمل مشغول نہ ہو جائیں ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو ترک ہی کئے رکھو اور اگر یہ لوگ استہزاء میں مشغول ہوں اور تم بھولے سے ان کے پاس بیٹھ جاؤ تو یاد آنے پر فوراً اٹھ جایا کرو، ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھے نہ رہا کرو۔

جواب (ج)

”خوض فی الآیات“ کی مراد اور ”غیرہ“ کا ضمیر کا مرجع:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں کفار کا قرآن کریم کی آیات میں جو غور فکر کرنا بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار قرآن کریم کی آیات میں اس لئے غور و خوض کرتے ہیں تاکہ اس مقدس کتاب میں اگر کجی پائیں تو آپ علیہ السلام کا اور اہل ایمان کو مذاق بنا سکیں، ان کا مقصد اپنے اس غور و فکر سے حق کی معرفت نہیں ہوتا بلکہ صرف استہزاء ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ آیت کریمہ کے نچلے ”فی حدیث غیرہ“ میں ”غیرہ“ کا ضمیر کا مرجع

آیات اور ذکر ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۷۱)

جواب (د)

اسلام یا احکام اسلام کا استہزاء کرنے والوں کی مجالس میں بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟:

اس آیت کریمہ میں بیان کردہ حکم الہی کی روشنی میں ہر ایسی مجالس میں بیٹھنا قطعاً حرام ہے جس میں اسلام یا احکام اسلام کی مذاق بنائی جاتی ہے، واضح رہے کہ اس آیت میں اگرچہ اصل خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن عمومی طور پر یہ حکم امت کے ہر فرد کیلئے ہے، پس امت کے ہر فرد پر ایسی مجالس سے اجتناب کرنا نیز ایسے افراد سے قطع تعلق کرنا جو اسلام اور احکام اسلام کو استہزاء کرتے ہیں واجب ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ال﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲۳﴾

(وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ) كَمَا اقْتَرَحُوا (وَحَشَرْنَا) جَمَعْنَا (عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبَلًا) بِضَمَّتَيْنِ جَمَعَ قَبِيلٌ أَيْ فَوْجًا فَوْجًا وَبِكَسْرِ الْقَافِ وَفَتَحَ الْبَاءِ أَيْ مُعَايَنَةً فَشَهِدُوا بِصِدْقِكَ (مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا) لِمَا سَبَقَ فِي عِلْمِ اللَّهِ (إِلَّا) لَكِنَّ (أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ) إِيْمَانَهُمْ فَيُؤْمِنُوا (وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ) ذَلِكَ (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) شیاطین الانس والجن، وحی اور زخرف القول کی مراد تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور اگر ہم ان پر ان کی تجویز کے مطابق فرشتے نازل کر دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم ان کی آنکھوں کے سامنے دنیا بھر کی ہر قسم کی چیزیں جمع کر دیتے ”قُبَلًا“ قَاف اور باء کے ضمہ کے ساتھ ”قبیل“ کی جمع ہے بمعنی گروہ، اور ایک قرأت میں قاف کے کسرہ اور باء کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی کسی چیز کو روبرو کرنا، اور وہ آپ کی صداقت کی شہادت دیتے تب بھی اللہ کے علم ازلی کے مطابق یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، مگر اللہ رب العزت چاہیں تو یہ ایمان لاسکتے ہیں، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ اس معاملہ میں جہالت کی باتیں کرتے ہیں، اور جس طرح ہم نے ان لوگوں کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے اسی طرح ہم نے سرکش انسانی شیاطین اور جناتی شیاطین کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے وسوسے کے ذریعہ چکنی چڑی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

جواب (ب)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

تفسیر العبارة:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے کفار معاندین کی نامناسب حرکتوں اور بیجا مطالبوں پر حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اے نبی! اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیں اور مردے بھی ان سے باتیں کر لیں اور ہم غیب کی ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی (جنت و دوزخ بھی ان کو دکھادیں) تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی چاہے تو یہ لوگ ایمان لا سکتے ہیں، پس ان کا آپ علیہ السلام سے فرمائی معجزات طلب کرنا ایمان لانے کیلئے نہیں ہے بلکہ ٹھٹھول بازی کیلئے ہے، پس اے نبی! اس بات سے مغموم ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم نے آپ سے پہلے نبیوں کیلئے بھی انسان اور جنات میں سے دشمن بنائے تھے اور یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے تھے جو بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی تھیں لیکن درحقیقت یہ باتیں اچھی نہ تھیں اور یہ لوگ اپنی ان باتوں سے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ وہ ایمان قبول نہ کریں جو حال انبیاء سابقین علیہم السلام کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، لہذا آپ غم نہ کیجیے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ (انوار البیان ۳/۲۶۴)

جواب (ج)

شیاطین الانس والجن، وحی اور زخرف القول کی مراد:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں شیاطین الانس سے وہ سرکش انسان مراد ہیں جو ہر وقت فتنہ و فساد برپا کرنے کوشش میں لگے رہتے ہیں اور شیاطین الجن سے مراد اسی قبیل کے جنات ہیں جو انسانوں کو فضول پریشان کرتے ہیں، اور وحی سے مراد شیاطین کا آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنا اور وسوسے ڈالنا ہے، اور زخرف القول سے مراد ایسے چکنی چپڑی باتیں ہیں جن کا ظاہر نہایت عمدہ اور باطن نہایت خراب ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۲﴾
 ﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲۵﴾

(وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ) خَلَقَ (مِنُ الْحَرثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا) وَلِشْرَكَائِهِمْ نَصِيبًا
 يَصْرِفُونَهُ إِلَى سِدَنَتِهَا (فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ
 فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ) أَي لِحَبَّتِهِ (وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ
 مَا يَحْكُمُونَ) حُكْمُهُمْ هَذَا۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
 (ج) ”ولشركائهم نصيباً“ کا قرینہ کیا ہے اور ”ای لِحَبَّتِهِ“ بڑھانے کا کیا فائدہ ہے؟
 تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور کفار مکہ نے اللہ رب العزت کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں سے ایک حصہ اس کیلئے
 مقرر کیا ہے جس کو وہ مہمانوں اور مسکینوں کیلئے خرچ کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے معبودوں کیلئے
 مقرر کیا ہے جس کو وہ کعبہ کے خدام کیلئے خرچ کرتے ہیں، اور بزعم خویش کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کیلئے
 ہے اور یہ ہمارے معبودوں کیلئے ہے پھر جو ان کے بتوں کا حصہ ہوتا ہے وہ تو اللہ رب العزت کو نہیں
 پہنچتا لیکن جو اللہ رب العزت کا حصہ ہوتا ہے وہ ان کے بتوں تک پہنچ جاتا ہے پس یہ لوگ جو فیصلہ
 کرتے ہیں کس قدر ناپسندیدہ ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مشرکین کے شرک کی ایک انوکھی قسم کو بیان کیا ہے۔

واضح رہے کہ مشرکین میں شرک مختلف صورتوں میں پھیلا ہوا تھا ان میں سے ایک صورت

یہ تھی کہ یہ لوگ اللہ رب العزت کی پیدا کی ہوئی کھیتوں اور مویشی میں سے کچھ حصہ اپنے معبودان باطلہ کے لیے مقرر کر دیتے تھے جس کے مصارف انہوں نے خود تجویز کر رکھے تھے، اب ہوتا یہ تھا کہ جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہوتا تھا اس میں سے اگر کچھ حصہ معبودان باطلہ کے حصہ میں مل جاتا تو اسے تو ملا ہی رہنے دیتے تھے اور اگر ان معبودان باطلہ والے حصہ میں کچھ حصہ اس حصہ میں مل جاتا جو اللہ رب العزت کے لیے مقرر کیا ہوتا تھا تو اسے جھٹ الگ کر لیتے تھے، اور کہتے تھے کہ اللہ رب العزت تو غنی ہے اس کو اس کی کیا ضرورت ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے ان کی اسی حماقت کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے یہ لوگ اللہ رب العزت کیلئے جو فیصلہ کرتے ہیں یہ نہایت نامناسب اور ناپسندیدہ ہے۔

جواب (ج)

”ولشرکائهم نصیباً“ کے اضافہ کا قرینہ اور ”ای لجبہتہ“ بڑھانے کا فائدہ:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ کی تفسیری عبارت ”ولشرکائهم نصیباً“ کے اضافہ کا قرینہ ”وہذا لشرکائنا“ ہے اور ”ای لجبہتہ“ بڑھانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مشرکین کا مقرر کردہ حصہ جس طرح اللہ رب العزت کی ذات کو پہنچنا محال ہے اسی طرح اس کی جہت کو بھی محال ہے، یعنی ہر اعتبار سے محال ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲﴾

(وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ) وَهُوَ مَا لَمْ تَفْرَقْ أَصَابِعَهُ كَالْبَابِلِ
وَالنَّعَامِ (وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا) الثُّرُوبِ وَشَحْمِ الْكُلَى
(إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُنَّ أَوِ الْحَوَايَا) الْأُمْعَاءُ جَمْعُ حَاوِيَاءٍ أَوْ حَاوِيَةٍ (أَوْ مَا اخْتَلَطَ
بِعَظْمٍ مِنْهُ) وَهُوَ شَحْمُ الْأَلْيَةِ فَإِنَّهُ أُحِلَّ لَهُمْ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق قلمبند کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور ہم نے یہود پر ناخن والے تمام جانور حرام کر دیئے (تھے) اور وہ ایسے جانور ہیں جن کی انگلیاں الگ نہیں ہوتی جیسے کہ اونٹ اور شتر مرغ، اور گائے اور بکری کی اوجھ اور گردے کی چربی ہم نے ان پر حرام کر دی (تھی) مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو، یا آنتوں میں لگی ہو ”حوایا“ بمعنی انتڑی ”حویاء“ یا ”حاویة“ کی جمع ہے، یا وہ چربی جو ہڈی سے لگی ہو یعنی سُرین کی چربی وہ ان کے لئے حلال تھی۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے یہود پر حرام کردہ چیزوں کو بیان کیا ہے، یہود کی شریعت میں ہر ایسے ناخن والے جانور جن کا پنچہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ، مرغابی، بطخ وغیرہ حرام تھے۔

واضح رہے کہ اونٹ ملت ابراہیمی میں حلال تھا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کو عرق النساء کی بیماری کی وجہ سے صرف اپنے اوپر حرام کر لیا تھا پھر روایتی طور پر ان کی اولاد میں اونٹ کی یہ حرمت چلی آئی یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا ”كما قال النسفی فی المدارک: فلما نزلت التوراة علی موسیٰ حرم علیہم فیہا لحوم الابل و البانہا لتحریم اسرائیل ذالک علی نفسہ“ اسی طرح گائے اور بکری کی چربی بھی یہود کیلئے حلال نہیں تھیں بلکہ ان کیلئے صرف وہ چربی حلال تھی جو گائے یا بکری کی پشت پر ہوتی ہے یا وہ حلال تھی جو ان کی آنتوں یا کولہے کی ہڈی سے لگی

ہوئی ہوتی ہے اس کے علاوہ ان کیلئے اور کوئی چربی حلال نہیں تھی، اس آیت میں اللہ رب العزت نے یہود پر حرام شدہ انہیں چیزوں کی تفصیل بیان کی ہے، اور یہ اللہ رب العزت کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے ان چیزوں کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حرام نہیں کیا ہے، اس پر اللہ رب العزت کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ **فَللّٰهِ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا۔**

جواب (ج)

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق:

”الشروب.... اَثْرُبُ“ یہ ”ثُرْبُ“ کا واحد ہے، بمعنی آنتوں کے اوپر کی جھلی، مراد آنتوں میں موجود چربی کی جھلی ہے۔

”الکلی“ یہ ”کُلِيَّةُ“ کا واحد ہے، بمعنی گروہ۔

”ظهور.... اظھر“ یہ ”ظھر“ کی جمع ہے، بمعنی پیٹ، یہاں اس سے مراد کمر کی

چربی ہے۔

”الحوایا“ یہ ”حاویاء“ یا ”حاویة“ کی جمع ہے، بمعنی آنت، مراد آنت پر لگی

ہوئی چربی ہے۔

”الایة“ اس کی جمع ”الایا“ آنت ہے، بمعنی سرین، یہاں اس سے سرین کی ہڈی پر لگی

ہوئی چربی مراد ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲۹﴾

(الْمَص) اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ هَذَا (كِتَبَ اَنْزَلَ اِلَيْكَ) حِطَابٍ لِلنَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ) ضَيْقٌ (مِنْهُ) اَنْ تُبَلِّغَهُ مَخَافَةَ

اَنْ تُكَذِّبَ (لِتُنذِرَ) مُتَعَلِّقٌ بِاَنْزَلِ اَيُّ لِلْاِنْذَارِ (بِهِ وَذِكْرُ) تَذَكِّرَ (لِلْمُؤْمِنِينَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) سورہ اعراف مکی ہے یا مدنی؟
تحریر کریں (ج) ”أن تبليغه مخافة ان تكذب“ اور ”ای للانذار به“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے کس بات کی وضاحت کی ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

المص: اس لفظ سے اللہ ہی اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے، یہ ایک کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اس میں آپ کو خطاب ہے تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں ”لَتُنذِرَ“... ”أُنزِلَ“ کے متعلق ہے ”ای أنزل للانذار“ لہذا آپ کو اس کتاب کی تبلیغ سے اس خوف سے کہ آپ کی تکذیب کی جائے گی کوئی جھجک نہ ہونی چاہئے، اور (یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے) تاکہ اس کے ذریعہ مومنوں کو نصیحت حاصل ہو جائے۔

جواب (ب)

Website: MadarseWale.blogspot.com

سورہ اعراف مکی ہے یا مدنی؟ Website: NewMadarsa.blogspot.com

واضح رہے کہ سورہ اعراف اپنی اکثر آیات کے نزول کے اعتبار سے مکی ہے البتہ اس کی پانچ یا چھ آیات یعنی ”واستلهم عن القرية“ سے لیکر ”واذ نتقنا الجبل“ تک مدنی ہیں، اور اس سورت میں کل ایک سو پانچ یا چھ آیات ہیں۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۱۲۹)

جواب (ج)

”أن تبليغه مخافة ان تكذب“ اور ”ای للانذار به“ سے مفسر نے کیا واضح کیا؟

واضح رہے کہ ”أن تبليغه“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس بات کو واضح کیا۔

میں مذکور ”منہ“ میں مضاف محذوف ہے اور تقدیری عبارت ”من تبليغه“ ہے۔

اور ”مخافة ان تكذب“ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہے ارشاد باری

فی صدرک... الخ... کی علت ”مخافة“ محذوف ہے۔

اور ”ای لانداز بہ“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ”لتندر“ میں لام کے بعد ”انہ“ مصدریہ مقدر ہے اور ”فلا یکن فی صدرک حرج منہ“ جملہ نہی علت و معلول کے مابین جملہ معترضہ ہے اور علت ”کتساب انزل الیک“ اور معلول ”لتندر... الخ...“ ہے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۱۵ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۱۳۲ ﴾

(وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا مِّمَّنْ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ) أَي مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُكُونِ الشَّيْنِ تَخْفِيفًا وَفِي أُخْرَى بِسُكُونِهَا وَفَتْحِ النُّونِ مَصْدَرًا وَفِي أُخْرَى بِسُكُونِهَا وَضَمِّ الْمُوَحَّدَةِ بَدَلِ النُّونِ أَي مُبَشِّرًا وَمُفْرَدِ الْأُولَى نُشُورَ كَرَسُولٍ وَالْأَخِيرَةَ بِشِيرٍ (حَتَّىٰ إِذَا أَقْلَّتْ) حَمَلَتْ الرِّيَّاحُ (سَحَابًا ثِقَالًا) بِالْمَطَرِ (سُقْنَهُ) أَي السَّحَابِ وَفِيهِ التِّفَاتُ عَنِ الْغَيْبَةِ (لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ) لَا نَبَاتَ بِهِ أَي لِإِحْيَائِهِ (فَأَنْزَلْنَا بِهِ) بِالْبَلَدِ (الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ) بِالْمَاءِ (مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ) الْإِخْرَاجُ (نُخْرَجُ) الْمَوْتَى مِنْ قُبُورِهِمْ بِالْإِحْيَاءِ (لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ) فَتُؤْمِنُونَ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”بشرا“ کی قراتوں کے اختلاف کو الگ الگ تحریر کریں ہر قراتوں کے مطابق ترجمہ اور مفہوم تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے بھیجتا ہے یعنی ہوا بارش کے آگے آگے پھیلا ہوئی ہوتی ہے، اور ”بشرا“ ایک قرات میں شین کے سکون کے ساتھ بطور تخفیف کے اور دوسری قرات میں شین کے سکون اور نون کے فتح کے ساتھ بطور مصدر کے اور

تیسری قرأت میں شین کے سکون اور بجائے نون کے باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اور یہ ”مبشراً“ کے معنی میں ہے، اور پہلی صورت میں اس کا مفرد ”نشور“ بروزن رسول اور دوسری صورت میں ”بشیر“ ہے، پھر جب وہ ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھالیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی مردہ یعنی خشک زمین کی طرف جس میں کوئی گھاس پھوس نہیں ہوتی ہے اس زمین کو زندہ کرنے کیلئے ہانکا لیجاتے ہیں ”سقناہ“ میں غیبت سے التفات ہے، پھر ہم اس زمین میں پانی برساتے ہیں اور پھر اس پانی کے ذریعہ ہم ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو ان کی قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے، اور یہ مثال ہم نے اس لئے بیان کی ہے تاکہ تم سبق حاصل کر لو، اور ایمان لے آؤ۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے بارش کے اہم فوائد کو بیان کرتے ہوئے بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کو مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ وہ ہے جو بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر جب یہ ہوائیں پانی سے لبریز بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو اللہ ان کو ایسی بے آب و گیاہ زمین کی جانب ہنکا لیجاتا ہے جو سبزی وغیرہ اگانے کے قابل نہیں ہوتی ہے پس اللہ وہاں بارش برساتا ہے جس سے وہاں سبزہ نکل آتا ہے، کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے، پھل میوے اور غلے پیدا ہو جاتے ہیں پھر ان سے انسان اور جانور غذا پاتے اور فائدہ حاصل کرتے ہیں، پس اللہ جس طرح بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ ہر جاندار کو اس کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن پہلا صور پھونکا جائے گا اور لوگ بیہوش ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ بارش کو نازل کریں گے جو شبنم کی طرح ہوگی اس سے لوگوں کے جسم اُگ جائیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب اٹھ کر کھڑے ہو جائیں

گے، اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ مثال تمہارے نصیحت حاصل کرنے اور ایمان قبول کرنے کیلئے بیان کی ہے۔

جواب (ج)

”بشراً“ کی قراتوں کے اختلاف:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ میں مذکور لفظ ”بشراً“ کی تین قراتیں ذکر کی ہیں (۱) پہلی یہ ذکر کی ہے کہ یہ لفظ شین کے سکون کے ساتھ ”بشراً“ ہے، اس صورت میں اس کا ترجمہ ہے... اللہ رب العزت ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے.... (۲) دوسری یہ ذکر کی ہے کہ یہ شین کے سکون اور نون کے فتح ساتھ ”نشراً“ ہے، اس صورت میں اس کا ترجمہ ہے... اللہ رب العزت ہواؤں کو بارش کے آگے آگے پھیلتی ہوئی بھیجتا ہے.... (۳) تیسری یہ ذکر کی ہے کہ یہ لفظ با کے ضمہ اور شین کے سکون کے ساتھ (مفرد ”بشیر“) اسم فاعل ”مبشر“ کے معنی میں ہے، اس صورت میں اس کا ترجمہ ہے..... اللہ رب العزت ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۳۴﴾

(وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا ۖ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ) أَي مُتَفَرِّقَةً قُدَّامَ الْمَطَرِ وَفِي قِرَاءَةِ بُسْكَوْنِ الشَّيْنِ تَخْفِيفًا وَفِي أُخْرَى بُسْكَوْنِهَا وَفَتْحَ النُّونِ مَصْدَرًا وَفِي أُخْرَى بُسْكَوْنِهَا وَضَمَّ الْمُوَحَّدَةَ بَدَلِ النُّونِ أَي مُبَشِّرًا وَمُفْرَدِ الْأُولَى نُشُورَ كَرَسُولٍ وَالْأَجِيرَةَ بِشِيرٍ (حَتَّىٰ إِذَا أَقْلَتْ) حَمَلَتْ الرِّيحُ (سَحَابًا ثِقَالًا) بِالْمَطَرِ (سُقْنَهُ) أَي السَّحَابِ وَفِيهِ الثَّقَاتُ عَنِ الْغَيْبَةِ (لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ) لَا نَبَاتَ بِهِ أَي لِإِحْيَائِهِ (فَأَنْزَلْنَا بِهِ) بِالْبَلَدِ (الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ) بِالْمَاءِ (مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ) الْإِخْرَاجُ

(نُخْرِجُ الْمَوْتَى) مِنْ قُبُورِهِمْ بِالْأَحْيَاءِ (لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ) فَتُؤْمِنُونَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) ”متفرقة... الخ...“ کس تفسیر ہے؟ اور ”وفى اخرى... الخ...“ سے مفسر علام کیا

فرما رہے ہیں؟ تحریر کریں (د) ”وفيه التفات... الخ...“ کا کیا مطلب ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اللہ وہ ذات ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لئے ہوئے یعنی بارش کے آگے آگے پھیلتی ہوئی بھیجتا ہے، اور ”بشراً“ ایک قراءت میں شین کے سکون کے ساتھ بطور تخفیف کے اور دوسری قراءت میں شین کے سکون اور نون کے فتح کے ساتھ بطور مصدر کے اور تیسری قراءت میں شین کے سکون اور بجائے نون کے باء کے ضمہ کے ساتھ (آیا ہے) یعنی خوشخبری دینے والی (بنا کر بھیجتا ہے) اور پہلے کا مفردن ”نَشُور“ بروزن رسول ہے اور دوسرے کا ”بشیر“ ہے، پھر جب ہوائیں پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھالیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی مردہ یعنی خشک زمین کی طرف ہانکا لیجاتے ہیں اس میں غیبت سے التفات ہے (یعنی ایسی زمین کی جانب) جس میں کوئی گھاس پھونس نہیں ہوتی ہے اس کو زندہ کرنے کیلئے لے جاتے ہیں، پھر ہم اس زمین میں پانی برساتے ہیں اور پھر اس پانی کے ذریعہ ہم ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو ان کی قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے (اور یہ مثال ہم نے اس لئے بیان کی ہے) تاکہ تم سبق حاصل کر لو اور ایمان لے آؤ۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں بارش اور اس کے فوائد کا تذکرہ اور ساتھ ہی بعث بعد الموت کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ وہ ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے

جو اس کی رحمت یعنی بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں اور جب یہ ہوا میں پانی سے بھرے ہوئے بھاری بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم ان بادلوں کو ایسی سر زمین کی جانب جو بے آب و گیاہ ہوتی ہے اور سبزی کے اعتبار سے مردہ ہو چکی ہوتی ہے بھیج دیتے ہیں اور پھر وہاں ہمارے حکم سے بارش برستی ہے جس سے پانی جمع ہو جاتا ہے سبزہ نکل آتا ہے، کھیتوں اور باغوں میں جان پڑ جاتی ہے، پھل میوے اور غلے پیدا ہوتے ہیں جن سے انسان اور جانور غذا پاتے اور منتفع ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ بارش بنجر زمین پر بھی ہوتی ہے اور پہاڑوں پر بھی برستی ہے لیکن آیت میں خصوصیت کے ساتھ جس زمین کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس زمین پر پانی برسنے کے بعد کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، اور سبزیاں و ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں جن سے انسان اور جانور اور پھر انسانوں میں مؤمن و کافر سب فائدہ اٹھاتے ہیں گویا اللہ رب العزت نے ہر ایک کو اپنا انعام یاد دلایا ہے۔

قوله: كذالك نخرج الموتى!....

اللہ فرماتے ہیں جس طرح ہم بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اسی طرح ہم قیامت میں مردوں کو ان کی قبروں سے زندہ کر کے نکالیں گے۔ (انوار البیان ۳/۳۵۸)

Website: MadarseWale.blogspot.com

جواب (ج)

Website: NewMadarsa.blogspot.com

”متفرقة“ کس کی تفسیر ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ ”وہو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ“ کی تفسیر ”متفرقة قدام المطر“ سے کی ہے، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفسر کی یہ عبارت آیت کریمہ کے کس جملہ کی تفسیر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر کی یہ عبارت آیت کریمہ کے جملہ ”الریاح“ کی تفسیر ہے اور مراد بارش سے پہلے چلنے والی ہوائیں ہیں اور یہ ہوائیں چونکہ چاروں جانب سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اس لئے مفسر نے ”متفرقة“ کے

ذریعہ ”الریاح“ کی تفسیر کی ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۱۳۳)

”وفی اخری.... الخ....“ سے مفسر علام کیا فرما رہے ہیں؟

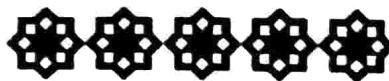
”وفی اخری.... الخ....“ سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ ”وہو الذی یوسل الریاح بشراً بین یدی رحمته“ کے ایک جملہ ”بشراً“ کی قرأتوں کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ اس جملہ کی مشہور قرأت ”بشراً“ ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے، لیکن حضرت حمزہ اور کسائی علیہما الرحمۃ کے نزدیک اس کی دوسری قرأت ”نشراً“ نون کے فتح اور شین کے سکون کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ مصدر یعنی ترکیب میں مفعول مطلق ہوگا، اس کے برخلاف حضرت عاصم کے نزدیک اس کی قرأت ”بشراً“ یعنی با کے ضمہ اور شین کے سکون کے ساتھ بمعنی ”مبشراً“ ہے، مفسر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت حمزہ اور کسائی علیہما الرحمۃ کی قرأت کے اعتبار سے اس جملہ کا مفرد ”نشور“ بروزن ”رسول“ اور حضرت عاصم کی قرأت کے اعتبار سے ”بشیر“ آتا ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۱۳۳.... کما لین ۲/۲۵۶)

جواب (د)

”وفیہ التفات.... الخ....“ کا کیا مطلب ہے؟

واضح رہے کہ عبارت مذکورہ میں مفسر علیہ الرحمۃ کے قول ”وفیہ التفات.... الخ....“ کا مطلب یہ ہے کہ اب تک اللدرب العزت نے اپنے لئے صیغہ غائب کا ذکر کیا تھا اور اب یہاں سے صیغہ متکلم کا ذکر کر رہے ہیں، واضح رہے کہ صیغہ غائب سے اچانک متکلم کی جانب التفات کرنا بھی علم بلاغت کا ایک قاعدہ ہے اور اس سے کلام میں بھی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾



﴿سوال ۷۱﴾ ﴿جلالین شریف صفحہ ۱۲۷﴾

لَمَّا اِخْتَلَفَ الْمُسْلِمُونَ فِي غَنَائِمِ بَدْرٍ فَقَالَ الشُّبَّانُ هِيَ لَنَا لِأَنَّنا بَاشَرْنَا الْقِتَالَ وَقَالَ الشُّيُوخُ كُنَّا رِذَاءً لَكُمْ تَحْتَ الرَّيَاةِ وَلَوْ اُنْكَشَفْتُمْ لَفِئْتُمْ إِلَيْنَا فَلَا تَسْتَأْثِرُوا بِهَا فَنَزَلَ (يَسْئَلُونَكَ) يَا مُحَمَّدَ (عَنِ الْأَنْفَالِ) الْغَنَائِمِ لِمَنْ هِيَ (قُلْ) لَهُمْ (الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرُّسُولِ) يَجْعَلَانَهَا حَيْثُ شَاءَ اِفْقَسَمَهَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ (فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) أَي حَقِيقَةَ مَا بَيْنَكُمْ بِالْمَوَدَّةِ وَتَرَكَ النِّزَاعَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کرتے ہوئے ”یسئلون“ کی ضمیر کا مرجع متعین کریں (ج) غنیمت کس کو کہتے اور اس کا کیا حکم ہے؟ تحریر کریں (د) غنیمت اور نفل ایک ہیں یا الگ الگ؟ اگر ان میں فرق ہے تو کیا فرق ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

جب بدر کے مال غنیمت (کی تقسیم) کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا اور نوجوان یہ کہنے لگے کہ یہ ہمارا حق ہے اسلئے کہ ہم نے براہ راست قتال کیا ہے اور بوڑھے یہ کہنے لگے کہ پرچموں کے تحت ہم تمہارے مدگار تھے اگر (خدا نخواستہ) تم کو شکست ہو جاتی تو تم ہمارے ہی پاس پلٹ کر آتے لہذا تم مال غنیمت کے بارے میں ترجیح کا دعویٰ نہ کرو تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا مستحق کون ہے؟ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے وہ جس کو چاہیں دیں چنانچہ آپ صلی اللہ وسلم نے اس مال غنیمت کو جوانوں اور بوڑھوں کے درمیان مساوی طریقہ پر تقسیم کر دیا، تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات درست رکھو یعنی آپس کا معاملہ محبت کے ساتھ جھگڑے کو ترک

کر کے سنوار لو۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں مال غنیمت کی ملکیت کا حکم بیان کیا گیا ہے، یہ حکم جس واقعہ کے تناظر میں نازل ہوا ہے یہ واقعہ غزوة بدر کے بعد پیش آیا تھا جیسا کہ خود مفسر علیہ الرحمۃ نے اس کی وضاحت کی ہے، غزوة بدر میں جب اللہ رب العزت نے کفار مکہ کو ہزیمت عطاء کی اور اہل اسلام حضور علیہ السلام کی قیادت میں فتح یاب ہو گئے تو کافروں کا بہت سا مال بطور غنیمت کے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اس مال کی تقسیم میں صحابہ کرام کے مابین اختلاف ہو گیا جو ان صحابہ کا گروہ یہ کہنے لگا کہ اس مال غنیمت کے زیادہ حقدار ہم ہیں کیونکہ ہم نے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہم آگے بڑھ کر لڑے ہیں اور ہم نے ان کو شکست دی ہے اور بزرگ صحابہؓ یہ کہنے لگے کہ اس مال کے ہم زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ ہم تمہاری پشت پناہی پر تھے اور تم ہماری ہی قوت سے لڑ رہے تھے اگر خدا نخواستہ شکست ہوتی تو تم بھاگ کر ہمارے ہی پاس آتے اور یہیں آ کر دم لیتے نیز اسی کے ساتھ ساتھ ہم رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بھی حفاظت کر رہے تھے، صحابہ کرام میں جب یہ اختلاف ہوا تو اس موقع پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! لوگ آپؐ مال غنیمت کے متعلق معلوم کرتے ہیں آپ ان سے بتا دیجئے کہ یہ مال اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے وہ جس کو چاہیں یہ مال دے سکتے ہیں پس تم لوگ تو اللہ رب العزت سے ڈرو اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کو صحیح رکھو، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے مقام صفراء میں یہ مال صحابہ کرامؓ کے مابین برابری کے ساتھ تقسیم کر دیا۔

(معارف القرآن اور لیس کا ندھلوی ۳/۲۹۳)

”یسئلون“ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ، میں ”یسئلون“ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! ”یسئلون“ کی ضمیر کا مرجع ما قبل میں مذکور ”الشبان“ اور ”الشیوخ“ ہے، کیونکہ مال غنیمت کے متعلق انہیں کے مابین اختلاف ہوا تھا اور انہوں نے ہی حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق معلوم کیا تھا۔

جواب (ج)

غنیمت کس کو کہتے اور اس کا کیا حکم ہے؟:

واضح رہے کہ مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے کی جانے والی جنگ میں اہل اسلام کے ہاتھ آتا ہے.....

”الغنیمۃ والمغنم اسمان لما یؤخذ من اموال الکفرة بقوة الغزاة وقهر الکفرة علی وجه یكون اعلاء کلمۃ اللہ“ (القواعد الفقہیہ ۴۰۳)

اس مال کا حکم یہ ہے کہ اولاً امیر لشکر اس میں سے بیت المال کیلئے خمس نکالے گا اور پھر بقیہ مال مجاہدین کے مابین تقسیم کر دے گا، مجاہدین کے مابین اس مال کو تقسیم کرنے صورت یہ ہوگی کہ اگر مجاہد پیادہ پا ہے تو اس کو ایک حصہ اور اگر گھوڑا سوار ہے تو اس کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو حصے اور حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تین حصے دئے جائیں گے۔

جواب (د)

غنیمت اور نفل ایک ہیں یا الگ الگ؟:

واضح رہے کہ لغوی اعتبار سے مال غنیمت اور نفل دونوں کے ایک ہی معنی ہیں البتہ اصطلاحی اعتبار سے ان دونوں کے مابین فرق ہے لغوی اعتبار سے غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے کفار کے ساتھ ہونے والی جنگ میں اہل اسلام کے ہاتھ آتا ہے، اور یہ مال چونکہ مقصد جنگ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ سے زائد ایک چیز ہوتا ہے اس لئے اس کو نفل بھی کہتے ہیں، لیکن اصطلاح میں غنیمت تو اسی مال کو کہتے ہیں لیکن نفل اس مال کو کہتے ہیں جو کسی مجاہد کو اس کی بہادری کی وجہ سے امیر لشکر غنیمت سے الگ عطاء کرتا ہے۔ (کمالین ۲/۳۳۶)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

سوال ۱۸

جلالین شریف صفحہ ۱۴۹

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا) أَي مُجْتَمِعِينَ كَانَهُمْ لِكَثْرَتِهِمْ يَزْحَفُونَ (فَلَا تُؤَلُّوهُمْ الْأَدْبَارَ) مِنْهَزِمِينَ (وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ) أَي يَوْمَ لِقَائِهِمْ (دُبْرَةً إِلَّا مُتَحَرِّفًا) مُنْعَطِفًا (لِقِتَالٍ) بِأَنْ يُرِيهِمُ الْفِرَّةَ مَكِيدَةً وَهُوَ يُرِيدُ الْكِرَّةَ (أَوْ مُتَحَيِّزًا) مُنْضَمًّا (إِلَى فِئَةٍ) جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَسْتَنْجِدُ بِهَا (فَقَدْ بَاءَ) رَجَعَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت میں مذکور وعید مطلق ہے یا کسی خاص صورت کے ساتھ متعلق ہے؟ تحریر کریں (ج) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق قلمبند کریں۔

Website: MadarseWale.blogspot.com

جواب (الف)

Website: NewMadarsa.blogspot.com

ترجمہ العبارة:

اے ایمان والو جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ اور حال یہ ہو کہ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے آہستہ آہستہ سرک رہے ہوں تو بھی ان سے شکست خوردہ ہو کر پیٹھ مت پھیرو، اور جو شخص مقابلہ کے دن جنگی چال کے سوا ان سے پیٹھ پھیرے گا، اور جنگی چال یہ ہے کہ بطور دھوکہ ان کو فرار دکھائے مگر پلٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ ہو، یا مسلمانوں کی جماعت سے مدد لینے کے لئے جانے کے طور پر فرار ہو تو وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہے (اس کے علاوہ) جس نے ایسا کیا تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔

جواب (ب)

آیت میں مذکور وعید مطلق ہے یا کسی خاص صورت کے معلق ہے؟:

واضح رہے کہ آیت میں مذکور وعید مطلق نہیں ہے بلکہ خاص موقع کے ساتھ متعلق اور یہ خاص موقع خود آیت کریمہ میں مذکور ہے کہ آدمی میدان جہاد سے یا تو اس لئے فرار اختیار کرے تاکہ

دشمن دھوکھا جائے اور یہ اس پر حملہ کر سکے یا اس لئے اختیار کرے کہ اہل اسلام کی جماعت سے ملکر مدد حاصل کر سکے پس ان دو وجوہات کی بنیاد پر میدان جہاد سے فرار ہونے والے آیت میں مذکور وعید کا مصداق نہیں ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے اگر کوئی میدان جہاد سے بھاگتا ہے تو پھر اس پر آیت کریمہ کی یہ وعید صادق آتی ہے کہ وہ اللہ رب العزات کا غضب لیکر لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جو بذات خود ایک برا ٹھکانہ ہے۔

جواب (ج)

خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

”زحفاً“ یہ ”زحوف“ کی جمع ہے، بمعنی لشکر جرار۔

”ادبار“ یہ ”دُبُر“ کا واحد ہے، بمعنی پیٹھ پھیرنا، بھاگنا۔

”یولہم“ یہ باب ضرب سے استعمال ہوتا ہے اور مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بمعنی پیٹھ پھیرنا، بھاگنا، فرار ہونا۔

”متحرفاً“ یہ انحراف کے معنی میں اسم فاعل کا صیغہ ہے، بمعنی الگ ہونا، جدا ہونا، اور باب تفعیل سے قال کیلئے پیٹھ پھیرنا، جنگ کیلئے پلٹنا۔

”باء“ یہ باب ضرب استعمال ہوتا ہے، اور ماضی سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بمعنی لوٹنا، پلٹنا، اٹھانا، لادنا۔

”ماوا“ یہ اسم مکان ہے، بمعنی پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۵۱﴾

(وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ) أَخَذْتُمْ مِنَ الْكُفَّارِ قَهْرًا (مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ) بِأَمْرِ فِيهِ بِمَا يَشَاءُ (وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ) قَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ (وَإِلْتِمَى) أَطْفَالَ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ هَلَكَ آبَاؤُهُمْ وَهُمْ
فُقَرَاءٌ (وَالْمَسْكِينِ) ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (وَابْنِ السَّبِيلِ) الْمُنْقَطِعِ فِي سَفَرِهِ
مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَصْنَافَ الْأَرْبَعَةَ عَلَى
مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ أَنَّ لِكُلِّ خُمْسِ الْخُمْسِ وَالْأَخْمَاسِ الْأَرْبَعَةَ الْبَاقِيَةَ لِلْغَنَامِينَ -
(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کی تفسیر تحریر کریں (ج) مال غنیمت
اور مال فقی میں کیا فرق ہے؟ (د) حضور علیہ السلام کے بعد مال غنیمت کے خمس کے مصارف میں
ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم جو مال غنیمت کے طور پر یعنی کافروں سے جبراً حاصل کرتے
ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ رب العزت کا ہے اس مال کے سلسلے میں اللہ رب العزت جو چاہیں حکم
کر سکتے ہیں (اور یہ مال) اللہ رب العزت کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول علیہ السلام کے
قرابتداروں کا ہے اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں اور یتیموں کا ہے یعنی ان یتیم مسلمان بچوں کا
ہے جن کے آباء فوت ہو چکے ہیں اور وہ حاجتمند ہیں، اور مسکینوں یعنی حاجتمند مسلمانوں کا ہے، اور
مسافر یعنی اس مسلمان کا ہے جو سفر کے دوران مسلمانوں سے بچھڑ گیا ہو یعنی اس پانچویں حصے میں
حضور علیہ السلام اور مذکورہ چاروں حق دار شریک ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک کو اس پانچویں
حصہ کا خمس ملے گا اور کل مال کے جو چار حصے ہیں وہ مجاہدین کو ملیں گے۔

جواب (ب)

تفسير العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے مال غنیمت کے مستحقین کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ
سابقہ امتوں میں مال غنیمت کو استعمال کرنے کا قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی

تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی، اللہ رب العزت نے اس امت پر ایک خاص کرم یہ فرمایا ہے کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت دیدی ہے ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلک بان اللہ رای ضعفنا وعجزنا فطیہا لنا“ حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا اللہ رب العزت نے ہماری کمزوری اور در ماندگی کو دیکھتے ہوئے اس مال کو ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔

واضح رہے کہ اسلامی شریعت نے مال غنیمت کے جو احکام بیان کئے ہیں ان میں سے ایک حکم جو اس آیت میں مذکور ہے اور جس کے ذیل میں اس مال کے مستحقین کا تذکرہ بھی آجاتا ہے یہ ہے کہ اولاً کل مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں، اور پانچویں حصے کے حقدار اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے قربت دار، یتیم، مسکین اور مسافر ہیں، مال غنیمت کا یہ پانچواں حصہ ان مذکورہ حضرات پر خرچ کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک کو اس حصہ کا پانچواں حصہ ملے گا۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ رب العزت کیلئے مال غنیمت کے حصے کے متعین ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات مال کے اس حصہ کی محتاج ہے بلکہ اس مال کے اصل مستحق تو وہی ہیں جو بعد میں مذکور ہیں شروع میں اللہ رب العزت کے نام نامی کا تذکرہ صرف برکت کیلئے ہے۔ (انوار البیان ۴/۱۵۱)

جواب (ج)

مال غنیمت اور مال فئی میں کیا فرق ہے؟:

مال غنیمت اور مال فئی کے مابین فرق یہ ہے کہ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے جنگ و جدال کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، اور فئی اس مال کا نام ہے جو کفار سے بغیر کسی جنگ کے حاصل ہو جاتا ہے، نیز کے ان دونوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو خمس نکال کر

مجاہدین کے مابین تقسیم کیا جاتا ہے جبکہ مال فئی کے خرچ کرنے کا کل اختیار اللہ رب العزت اس کے پاکیزہ رسول علیہ السلام کے پاس ہے۔

حضور علیہ السلام کے بعد خمس مال غنیمت کے مصارف میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟:

حضور علیہ السلام کے بعد مال غنیمت کے خمس کے کتنے مصارف ہیں اس سلسلے میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک حضور علیہ السلام کے بعد اب اس خمس کے کل تین مصارف یعنی یتامی، مسکین اور ابن السبیل ہیں، رہا آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے قرابت داروں کا حصہ تو اس کے مستحق بھی یہی تین ہیں اور اس کو بھی انہیں تین پر تقسیم کیا جائے گا، البتہ تقسیم کے وقت حضور علیہ السلام کے حاجت مند قرابت داروں کو دیگر حاجتمندوں پر مقدم رکھا جائے گا، اس کے برخلاف حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی آپ کا حصہ موجود ہے اور اس کو مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، اور بقول بعض امیر المؤمنین کو اس حصے کے خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۵۷﴾

(قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ) وَإِلَّا لَأَمْنُوا
بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ) كَالْحَمْرِ
(وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ) الثَّابِتِ النَّاسِخِ لِغَيْرِهِ مِنَ الْأَدْيَانِ وَهُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ (مِنْ)
بَيَانَ لِلَّذِينَ (الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ) أَيُّ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى (حَتَّى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ) الْخَرَاجَ الْمَضْرُوبَ عَلَيْهِمْ كُلِّ عَامٍ (عَنْ يَدٍ) حَالِ أَيُّ مُنْقَادِينَ أَوْ بِأَيْدِيهِمْ
لَا يُؤَكَّلُونَ بِهَا (وَهُمْ صَاغِرُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کی تفسیر تحریر کریں (ج) جزیہ کی

تعریف اور مقدار لکھ کر جزیہ ذمیوں میں سے کن لوگوں پر واجب ہوتا ہے؟ تحریر کریں
(د) ”عن ید“ کا ذوالحال کیا ہے؟ اور ”ای منقادین“ سے مفسر کیا بتانا چاہتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے اور نہ اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے جیسے کہ شراب (وغیرہ) اور نہ سچے دین یعنی اسلام کو قبول کرتے ہیں جو کہ دائمی اور دیگر ادیان کے لئے ناسخ ہے اور مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں ”مِن“ بیان یہ ہے جو ”الذین“ کا بیان ہے، (پس ان سے قتال کرو) یہاں تک کہ تابع ہو کر سالانہ عائد کردہ جزیہ بدست خود بغیر کسی کو سپرد کئے ذلیل ہونے کی حالت میں ادا کر دیں۔

جواب (ب)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

تفسیر العبارة:

سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا، اس آیت میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اسلام کا قانون یہ ہے کہ جب کافروں سے جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں ہے اس لئے کہ اب وہ اپنے ہو گئے ہیں اور اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی تمہارا ملک ہمارا ہوگا البتہ تم اس ملک میں رہ سکتے ہو اور تمہاری جانوں کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور تمہارے لئے یہ جزیہ اسی حفاظت کا بدل ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اگر اس ملک پر کوئی دوسرا دشمن حملہ کرتا ہے تو تم ہمارے ساتھ مل کر اس دشمن سے مقابلہ کرو گے، اگر کافر اس کو قبول کر لیں تو بھی آگے ان سے جنگ نہیں ہوگی اور اہل اسلام پر جزیہ کے بدلے ان کی جان و مال کی

حافظت کرنا لازم ہوگا، اور اگر وہ اس بھی قبول نہ کریں تو پھر آخر میں ان سے جہاد کیا جائے گا اور جنگ لڑ کر اللہ رب العزت کے کلمہ کو بلند کیا جائے گا۔

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب کی جو قید ذکر کی ہے یہ قید احترازی ہے، اور آیت میں بیان کردہ جزیہ کا یہ حکم دوسرے کفار پر بھی صادق آتا ہے۔
جواب (ج)

جزیہ کی تعریف اور مقدار اور یہ کن لوگوں پر واجب ہوتا ہے اس کا بیان:

واضح رہے کہ جزیہ اسلامی مملکت میں رہنے والے ذمی کافروں پر عائد ہونے والی سالانہ رقم کو کہتے ہیں، یہ رقم اگر باہمی رضامندی اور مصالحت سے طے ہو تو اس کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے لیکن اگر کسی ملک کو اہل ایمان نے فتح کیا اور وہاں کے باشندے اپنے مذہب کے ساتھ اس نئی اسلامی مملکت کا باشندہ بننے پر تیار ہو گئے تو پھر ان لوگوں کیلئے جزیہ کی وہ مقدار متعین ہوگی جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کی تھی، یہ مقدار مالداروں سے چار درہم ماہوار متوسط سے دو درہم ماہوار اور غریب سے ایک درہم ماہوار ہے، ان کے علاوہ مفلس، اپاہج، عورتیں، بچے اور تارک الدنیا لوگ جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہیں۔

واضح رہے کہ جزیہ کی ادائیگی ذمیوں کے ہر ایسے بالغ آزاد مرد پر لازم ہوتی ہے جو کھانے کمانے اور کاروبار کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ (انوار الزجاجین ۲۰۱)
جواب (د)

”عن ید“ کا ذوالحال کیا ہے؟ اور ”ای منقادین“ سے مفسر کیا بتانا چاہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ ”عن ید“ کا ذوالحال آیت کریمہ میں مذکور ”یعطوا“ کی ضمیر ہے جیسا کہ بین السطور میں مذکور ہے، اور ”ای منقادین“ سے مفسر نے یہ بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں اعطاء جزیہ سے تغیر باللازم مراد ہے گویا ید سے انقادید کا کننا یہ ہے اور مطلب یہ ہے وہ لوگ تابع دار ہو کر اپنا جزیہ کسی کو سپرد کئے بغیر از خود اپنے ہاتھ سے ادا کر دیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۶۰﴾

(عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ) فِي التَّخَلُّفِ وَهَلَّا تَرَكَتَهُمْ (حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا) فِي الْعُذْرِ (وَتَعْلَمُ الْكَاذِبِينَ) فِيهِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ کون تھے اور کس چیز کی اجازت کے طالب تھے؟ (ج) ”حتیٰ یتبین“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو منافقین کا علم نہیں تھا حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے، اصل بات کیا تھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اے نبی! اللہ رب العزت آپ علیہ السلام کو معاف کرے آپ نے ان کو شرکت نہ کرنے کی اجازت کیوں دیدی اور آپ علیہ السلام نے ان کو اپنی حالت پر کیوں نہ چھوڑ دیا کہ آپ پر یہ کھل جاتا کہ کون لوگ عذر میں سچے ہیں اور کون لوگ عذر خواہی میں جھوٹے ہیں اس کا علم بھی آپ کو ہو جاتا۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ شان نزول یہ ہے کہ جب غزوہ تبوک کا موقع آیا تو منافقین نے مختلف حیلے بہانے کر کے آپ علیہ السلام سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت چاہی آپ علیہ السلام نے اپنے طبعی حلم کی بنیاد پر ان کے اعذار کو قبول کر لیا، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور اپنے پاک نبی علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی کہ آپ علیہ السلام کیلئے منافقین کے اعذار قبول کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑنا ہی مناسب ہے۔

جواب (ج)

”حتی یتبین“ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو منافقین کا علم نہیں تھا؟:

یہاں ایک سول یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کہ جملے ”حتی یتبین“ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو منافقین کا علم نہیں تھا حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو منافقین کا علم تو تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول جس دن کا واقعہ آیت کریمہ میں مذکور ہے اس دن حضور علیہ السلام منافقین کو پہنچان نہیں رہے تھے یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے سورہ براءۃ نازل فرمائی (تب آپ علیہ السلام نے منافقین کو پہنچانا)۔ (حاشیہ جلالین شریف ۱/۱۶۰)

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۲۲ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۱۶۰ ﴾

(قُلْ اَنْفِقُوا) فِي طَاعَةِ اللّٰهِ (طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ) مَا اَنْفَقْتُمْ (اِنْكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ) وَالْاَمْرُ هُنَا بِمَعْنَى الْخَبَرِ (وَمَا مِنْهُمْ اَنْ تُقْبَلَ) بِالْبِئَاءِ وَالتَّاءِ مِنْهُمْ نَفَقْتَهُمْ (اِلَّا اَنْهُمْ) فَاعِلٌ وَاَنْ تُقْبَلَ مَفْعُولٌ (كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى) مُتَّاقِلُونَ (وَلَا يُنْفِقُونَ اِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ) النَّفَقَةُ لِاَنَّهُمْ يَعدُونَهَا مَغْرَمًا۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں

(ج) ”مغرمًا“ کا معنی اور ”الامر بمعنی الخبر“ کا کیا مفہوم تحریر کریں (د) غزوہ تبوک کا مختصر کا واقعہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اللہ رب العزت کی اطاعت میں چاہئے خوشی سے خرچ

کرو یا کراہت سے وہ تمہارے خرچ کرنے کو ہرگز قبول نہیں کرے گا اس لئے کہ تم فاسق لوگ ہو، اور یہاں امر برائے خبر ہے، اور ان کے خرچ کئے ہوئے مال کو قبول نہ کرنے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے ”یقبل“ یا اور تا کے ساتھ ہے، اور ”الانہم“... ”منعہم“ کا فاعل ہے اور ”ان تقبل“ اس کا مفعول ہے (یہ لوگ) نماز کو آتے ہیں تو کسماتے ہوئے سستی کے ساتھ آتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں وہ بددلی سے خرچ کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول بقول صاحب روح المعانی یہ ہے کہ جب غزوہ تبوک کا موقع آیا تو قبیلہ بنی سلمہ کے سردار جد بن قیس منافق نے جہاد میں جانے سے انکار کر دیا اور عذر یہ بیان کیا کہ میں رومیوں کی عورتیں دیکھ کر بے صبر ہو جاؤں گا اس لیے مجھے ساتھ نہ لے جائیں البتہ میں مال کے ذریعہ آپ علیہ السلام کی مدد کر دوں گا، اس موقع پر اللہ رب العزت یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور اپنے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان منافقین سے بتادیں یہ اللہ رب العزت کی اطاعت میں چاہے خوشی سے خرچ کریں یا کراہت سے اللہ ان کے خرچ کئے ہوئے مال کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول کا انکار کرتے ہیں اور نماز میں سستی کے ساتھ آتے ہیں اور اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان گمان کرتے ہیں۔

جواب (ج)

”مغرماً“ کا معنی اور ”الامر بمعنی الخیر“ کا کیا مفہوم:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کی تفسیر میں مذکور لفظ ”مغرماً“ کے مختلف معنی آتے ہیں مثلاً خسارہ ہونا، نقصان ہونا، تاوان ہونا، یہاں یہی آخر الذکر معنی مراد ہیں، اور مفسر علیہ الرحمۃ کے قول ”الامر بمعنی الخیر“ کا مفہوم یہ ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”انفقوا“، فعل امر اپنے اصلی معنی

میں نہیں ہے بلکہ خبر کے معنی میں ہے اور، طلب یہ ہے کہ اے منافقین کی جماعت تم اللہ رب العزت کی راہ میں چاہے خوشی سے اپنے مال کو خرچ کرو یا کراہت کے ساتھ کرو اللہ تمہارے خرچ کئے ہوئے مال کو قبول نہیں کریگا۔

جواب (د)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

غزوہ تبوک کا مختصر کا واقعہ:

غزوہ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے تبوک مدینہ کے شمال میں ملک شام کی سرحد پر ایک مقام کا نام ہے، شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ہجری میں جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آچکے تھے اور مشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا، مگر مدینہ پہنچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگوں سے جو شام سے زیتون کا تیل لا کر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے، یہ خبر ملی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں شام کی سرحد پر جمع کر دی ہیں اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اور خوش کر دیا ہے، اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی ساز باز ہے اور ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو آپ علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں وہیں مقابلہ کیا جائے یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا تھا، اور مدینہ کے حضرات عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پورے سال کے گزارہ کا مدار تھا، ایک انتہائی صبر آزما امتحان تھا مگر وقت کا تقاضا تھا اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے ممتاز تھا پہلے اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ ہوتی تھی اور اب شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج سے مقابلے کا وقت تھا، اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس

جہاد میں نکلنے کا حکم دیدیا، اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دیدی، اور آپ علیہ السلام مدینہ منورہ پر حضرت محمد بن سلمہ کو امیر مقرر کر کے تیس ہزار ایسی فوج کے ساتھ جس میں دس ہزار گھوڑے تھے تبوک کی جانب روانہ ہو گئے، اس جنگ میں اگرچہ مدینہ منورہ کے تمام اہل ایمان نے شرکت کی تھی لیکن پھر بھی بعض مخلص مسلمان اعذار کی بنا پر اس میں شریک نہیں ہو سکے تھے جبکہ منافقین نے ”لا تنفروا فی الحر“ کہہ کر اس جہاد میں آپ علیہ السلام کے ساتھ جانے انکار کر دیا تھا، خلاصہ یہ کہ آپ علیہ السلام مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر مدائن صالح ہوتے ہوئے تبوک میں جلوہ افروز ہو گئے، جب آپ علیہ السلام تبوک پہنچے تو مقام ایلہ کے حاکم نے آکر آپ علیہ السلام سے صلح کر لی اور جزیہ دینے پر رضامند ہو گیا اسی طرح اہل جرباء اور اہل اذرح نے بھی جزیہ دینا قبول کر لیا اور آپ علیہ السلام بیس دن تبوک میں آفتاب نبوت کی کرنیں پھیلا کر بخیر و عافیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ (معارف القرآن، شفع عثمانی ۳/۶۷۳.. انوار ۲۰۴)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۶۶﴾

(خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا) مِنْ ذُنُوبِهِمْ فَأَخَذَ ثُلُثَ أَمْوَالِهِمْ وَتَصَدَّقَ بِهَا (وَصَلَّ عَلَيْهِمْ) أَي ادْعُ لَهُمْ (إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ) رَحْمَةٌ (لَهُمْ) وَقِيلَ طَمَآنِينَةٌ يَقْبُولُ تَوْبَتَهُمْ (وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ) يَقْبَلُ (الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ) عَلَى عِبَادِهِ يَقْبُولُ تَوْبَتَهُمْ (الرَّحِيمُ) بِهِمْ وَالْإِسْتِغْفَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَالْقَصْدُ بِهِ هُوَ تَهْيِجُهُمْ إِلَى التَّوْبَةِ وَالصَّدَقَةُ۔ (الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) جب ان حضرات کی توبہ قبول ہو چکی ہے تو پھر صدقہ کے ذریعہ تذکیر و تطہیر کا کیا مطلب ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے آپ اس کے ذریعہ ان کو ان کے گناہوں سے پاک صاف کر دیں گے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اموال میں سے ایک تہائی لے لیا اور اس کو صدقہ کر دیا، اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے، یقیناً آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین یعنی باعث رحمت ہے، اور ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے (باعث) اطمینان ہے، اور اللہ رب العزت خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے، کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو قبول کرتا ہے؟ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کر کے ان پر بڑا رحم کرنے والا ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے اور مقصد ان کو توبہ کرنے اور صدقات دینے پر آمادہ کرنا ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ خود مفسر علیہ الرحمۃ نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو جو مخلص اہل ایمان آپ علیہ السلام کے ساتھ نہیں جاسکے تھے جیسے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ وغیر تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا اور یہ قسم کھالی کہ جب تک آپ علیہ السلام از خود اپنے دست مبارک سے انہیں نہیں کھولیں گے یہ اسی طرح بندھے رہیں گے، آپ علیہ السلام اس سلسلے میں حکم خداوندی کا انتظار فرما رہے تھے پس جب اللہ رب العزت نے ان کی توبہ کو قبول کر لیا اور وحی نازل کر دی تو اس وقت حضور علیہ السلام نے ان حضرات کو کھول دیا، ان حضرات نے توبہ قبول ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کیلئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ علیہ السلام نے مال لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں ہوا ہے، اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور حضور علیہ السلام کو ان حضرات کا مال لیکر صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، آیت

نازل ہونے کے بعد آپ علیہ السلام نے ان حضرات کے اموال میں ایک تہائی حصہ لیکر اللہ رب العزت کی راہ میں صدقہ فرمادیا۔ (معارف القرآن، شفیح عثمانی ۴/۲۵۴)

جواب (ج) جب ان حضرات کی توبہ مقبول ہے تو پھر صدقہ سے تذکیر و تطہیر کا کیا مطلب ہے؟:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان حضرات کی جن تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے توبہ قبول ہو چکی تھی تو پھر بعد میں صدقہ کے ذریعہ ان کی تذکیر و تطہیر کا حکم کیوں دیا گیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! ان حضرات کو توبہ کے قبول ہونے کے بعد بھی صدقہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ گناہ کا اثر یا جزوی کدورت جو توبہ کے بعد بھی قلب میں باقی رہ جاتی ہے دور ہو جائے اور ان کے درجات کی ترقی میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۲۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۶۶﴾

(و) مِنْهُمْ (الَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا) وَهُمْ اثْنَا عَشَرَ مِنَ الْمُنَافِقِينَ (ضِرَارًا) مُضَارَّةً لِأَهْلِ مَسْجِدِ قُبَاءَ (وَكَفْرًا) لِأَنَّهُمْ بَنَوْهُ بِأَمْرِ أَبِي عَامِرِ الرَّاهِبِ لِيَكُونَ مَعْقِلًا لَهُ يُقَدَّمُ فِيهِ مَنْ يَأْتِي مِنْ عِنْدِهِ وَكَانَ ذَهَبَ لِيَأْتِيَ بِجُنُودٍ مِنْ قَيْصَرَ لِقِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ) الَّذِينَ يُصَلُّونَ بِقُبَاءَ بِصَلَاةِ بَعْضِهِمْ فِي مَسْجِدِهِمْ (وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلِ وَلِيَحْلِفْنَ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مسجد ضرار کا کیا واقعہ ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور ان میں کچھ لوگ ہیں اور وہ بارہ منافقین، ہیں جنہوں نے مسجد قباء کے رہنے والوں کو نقصان پہنچانے اور کفر کرنے کے لئے ایک مسجد بنائی، اور منافقین نے یہ مسجد ابو عامر راہب کے کہنے سے اس لئے بنائی تھی تاکہ اس کے لئے جائے پناہ ہو جائے اور اس کی طرف سے آنے والا اس میں قیام کر سکے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے قیصر روم کا لشکر لانے کے لئے چلا گیا تھا، اور (اس لئے بنائی تھی) تاکہ مؤمنوں کے درمیان تفرقہ پیدا ہو جائے بایں طور کہ جو ان میں سے مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اپنی کچھ نمازیں ان کی مسجد ضرار میں پڑھیں (اس طرح مؤمنین کی جمیعت منتشر ہو جائے گی) اور (اس لئے بنائی تھی) تاکہ اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس مسجد کے بنانے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسر پیکار رہا ہے اور منافقین ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی ہے لیکن اللہ گواہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں قطعی جھوٹے ہیں۔

جواب (ب)

مسجد ضرار کا واقعہ:

مسجد ضرار جس تذکرہ اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ میں کیا ہے اُس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی خزرج کا ایک شخص جسے ابو عامر کہا جاتا تھا زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور اس نے اہل کتاب سے علم حاصل کر کے راہبانیت اختیار کر لی تھی، قبیلہ خزرج کے لوگ اس کا نہایت ادب کرتے تھے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو اس کو نہایت ناگوار ہوا اور اس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں آ کر اسلام پر اعتراضات کئے آپ علیہ السلام نے اس مردود کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا لیکن یہ مردود مطمئن نہ ہوا اور کہنے لگا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی چھوٹا ہوا ہے عزیز واقارب سے دور

مسافرت کی حالت میں مرے، اور میں آپ علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے ہر دشمن کی مدد کروں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور غزوہ حنین میں قبیلہ ہوازن کی شکست سے مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا اور وہیں کسمپرسی کی حالت میں واصل جہنم ہو گیا۔

واضح رہے کہ یہ ابو عامر راہب وہی شخص ہے جس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ کو غسیل الملائکہ ہونے کا شرف حاصل ہے، اسی ابو عامر نے قیصر روم کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کر دے، اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے، اسی دوران جب یہ اپنی اس سازش مصروف تھا یہ معاملہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کی ساز باز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کر دے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو اور یہاں مسلمانوں کے خلاف مشورہ سے معاملات طے کیا کرو۔

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلہ قباء میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی حالانکہ یہاں پہلے سے حضور علیہ السلام کی تعمیر کردہ مسجد قباء موجود تھی لیکن ان منافقین اسی محلہ میں اپنے اس سازشی گھر کو تعمیر کیا، اور پھر مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں ایک نماز پڑھو ادیس تاکہ سب مسلمان مطمئن ہو جائیں اور اس کو مسجد تسلیم کر لیں، چنانچہ اسی خیال کو لیکر ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قباء اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، آپ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، آپ علیہ السلام نے ان سے وعدہ کر لیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے، لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیات مذکورہ آپ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، ان آیات کے نازل ہونے پر آپ علیہ السلام نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت عامر بن سکن اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہ وغیرہ شریک تھے حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کو ڈھا دو اور اس میں آگ لگا دو، یہ سب حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کر کے اس کی عمارت کو ڈھا کر زمین برابر کر دی، تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے منقول ہے کہ جب حضور علیہ السلام قباء سے مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی، آپ نے حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنا لیں، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہو چکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ اپنا گھر بنانا پسند نہیں کرتا، البتہ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ ضرورت مند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ان کو اجازت دیدیتے کہ وہ یہاں اپنا مکان بنا لیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپ علیہ السلام نے یہ جگہ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ کو دے دی مگر انہیں بھی یہ جگہ راس نہیں آئی اور جب سے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا ہوا تو زندہ نہیں رہا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے بچے دینے کے قابل نہ رہی تھی اور کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھل پھول نہیں سکا اسی لئے آج تک یہ جگہ مسجد قباء کے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہے۔ (معارف القرآن، شفیح عثمانی ۴/۳۶۰ تا ۳۶۲)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



سوال ۲۵

جلالین شریف صفحہ ۱۶۸

(وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا) عَنْ التَّوْبَةِ عَلَيْهِمْ بِقَرِينَةٍ (حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ) أَى مَعَ رَحْبَهَا أَى سِعَتَهَا فَلَا يَجِدُونَ مَكَانًا يَطْمَئِنُّونَ إِلَيْهِ (وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ) قُلُوبُهُمْ لِلْغَمِّ وَالْوَحْشَةِ بِتَأْخِيرِ تَوْبَتِهِمْ فَلَا يَسْعَاهَا سُرُورٌ وَلَا أُنْسٌ (وَوَظَنُوا) أَيْقَنُوا (أَنْ) مُخَفَّفَةٌ (لَأَمْلَجًا مِنْ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ) وفقهم للتوبة (ليتوبوا إن الله هو التواب الرحيم)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کن حضرات کے متعلق نازل ہوئی ہے ان کا واقعہ تحریر کریں (ج) ”بقرینۃ“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے کس بات کی وضاحت کی ہے اور ”وعلى الثلاثة“ کا متعلق کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور ان تینوں حضرات کی طرف بھی توجہ فرمائی جن کی توبہ کو مؤخر کر دیا گیا تھا، یہ معنی ”حتی اذا ضاقت“ کے قرینہ کی وجہ سے ہیں، جب زمین ان پر اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی تھی اور وہ کوئی ایسی جگہ نہیں پاتے تھے جس میں اطمینان حاصل کر سکیں اور توبہ کی قبولیت میں تاخیر، وحشت اور غم کی وجہ سے خود ان کی اپنی جانیں بھی بار معلوم ہونے لگیں تھیں جس کی وجہ سے نہ ان کے قلوب میں سرور و انس موجود نہ تھا، اور انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ اللہ کے سوا ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہوا یعنی اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق بخشی تا کہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ بڑا معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

جواب (ب)

آیت مذکور جن حضرات کے متعلق نال ہوئی ہے ان کا واقعہ:

آیت مذکورہ تین مشہور صحابی حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ ابن ربیع رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ تینوں وہ صحابی تھے جن کا شمار مخلص اہل ایمان میں ہوتا تھا اور یہ بغیر کسی عذر کے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

ان حضرات کا مفصل واقعہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے خود حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی بخاری شریف کتاب المغازی میں بیان کیا ہے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے زیادہ فکر لاحق ہو گئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ علیہ السلام کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کر دوں گا، میں اپنے گھر والوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا، لیکن جب آپ علیہ السلام بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو میرے دل میں جھوٹ بولنے کا جو خیال تھا وہ بالکل ختم ہو گیا اور میں نے یہ طے کر لیا کہ سچ ہی بولوں گا کیونکہ میں سچ ہی کے ذریعہ آپ علیہ السلام کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں، یہاں تک کہ ایک دن آپ علیہ السلام مدینہ تشریف لے آئے، آپ علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے اور وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے، اس مرتبہ بھی جب آپ علیہ السلام اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے، یہ لوگ تعداد میں اسی سے کچھ اوپر تھے، آپ علیہ السلام ظاہری طور پر ان کا عذر قبول فرماتے رہے اور ان کو بیعت فرما کر ان کے لیے استغفار کر کے ان کے باطن کو اللہ رب العزت کے سپرد کرتے رہے۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے

سلام عرض کیا تو آپ علیہ السلام اس طرح مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آجا میں آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا غزوہ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی، میں نے عرض کیا واقعتاً میں نے سواری خرید لی تھی اور اگر میں اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھا ہوتا تو اللہ کی قسم میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا کیونکہ میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں نے آج آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لیا تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ صحیح بات بیان کر کے آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا، اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں، اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقع پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت اور مال والا میں اس سے پہلے کبھی نہیں تھا، میری بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمادے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لیے انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، کیا تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی طرح کا عذر پیش کر دیتے جیسا دوسرے لوگوں نے کیا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تمہارے لیے کافی ہو جاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا ہے اور ان کو بھی وہی جواب دیا گیا ہے جو تم کو دیا گیا ہے، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ ہیں، ان لوگوں

نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے، میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں، جو ان کا حال ہوگا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعبؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرمادیا، لہذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے، میرا تو یہ حال ہو گیا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں، میں رات دن برابر گھومتا تھا لیکن کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا آپؐ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لیے آپؐ اپنے مبارک ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے قریب نماز پڑھتا اور نظر چرا کر آپؐ کی طرف دیکھتا، جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپؐ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپؐ اعراض فرما لیتے تھے، یہ تو میرا حال تھا، لیکن میرے دونوں ساتھی تو بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور برابر رونے لگے۔

فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ میں میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی حضرت ابو قتادہؓ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بہ نسبت اور لوگوں کے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا، میں نے کہا اے ابو قتادہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے، میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے، میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا ”اللہ ورسولہ أعلم“ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے، یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا، اسی زمانہ میں دوسرا واقعہ میرے ساتھ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کے کاشتکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے

پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا، جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا، لہذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے، یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آگئی، میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ اسی دوران کہ ہمارا مقاطعہ جاری تھا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں، حضرت ہلالؓ ابن امیہ کی بیوی نے تو آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے لی کہ ہلالؓ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے، آپ علیہ السلام نے ان کو خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے، میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے، میں نے کہا کہ میں جو ان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گیا تھا اور زمین بھی میرے لیے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تھی تو میں نے ایک بلند آواز سنی جب سلع پر کوئی شخص چڑھ کر بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ یہ آواز سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آگئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی، آپ علیہ السلام نے یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا، اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے روانہ ہوئے، ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سنادی، اس شخص کی

آواز گھوڑسوار سے پہلے پہنچ گئی، جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے، اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لیے۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو، صحابہ کرامؓ مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارکبادی دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں، میری طرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا، (شائد اس لئے کہ اگر سبھی اٹھتے تو مسجد نبوی کی مجلس جو سکون و اطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزر رہا ہے، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوشی کا موقع آتا تھا تو آپ کا چہرہ نور ایسا روشن ہو جاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہوتا ہے اور ہم آپ کی خوشی کو اس سے پہچان لیتے تھے، حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنا سارا مال اللہ رب العزت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کچھ مال رکھ لو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا، میں نے عرض کیا کہ میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیر کے مال غنیمت سے ملا تھا، پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ یہ بات میں کہنے کو تو کہہ دی تھی لیکن میرے علم میں

مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مبتلا کیا گیا ہو، اور میں آج تک اپنے اس عہد پر قائم ہوں، اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ باقی زندگی بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ (انوار البیان ۴/۲۹۳ تا ۲۹۷)

جواب (ج)

”بقرینة“ سے مفسر نے کس بات کو واضح کیا ہے اور ”وعلی الثلاثة“ کا متعلق کیا ہے؟:

واضح رہے کہ ”بقرینة“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ آیت کریمہ میں جس تخلف کا ذکر ہے اس سے تخلف عن التبوک مراد نہیں ہے بلکہ تخلف عن التوبہ مراد ہے، جیسا کہ ”حتی ضاقت... الخ...“ سے یہی معلوم ہوتا ہے، اور ”وعلی الثلاثة“ کا فعل ”تاب“ ہے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۲۶ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۱۶۹ ﴾

(الر) اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ (تلك) اى هَذِهِ الْآيَاتِ (اَيْسَالِكْتِبِ) الْقُرْآنَ
وَالْبِاضَاةَ بِمَعْنَى مِنْ (الْحَكِيمِ) الْمُحْكِمِ (اَتَكَانَ لِلنَّاسِ) اى اَهْلُ مَكَّةَ اسْتَفْهَمَ اِنْكَارَ
وَالْحَارِزِ وَالْمَجْرُورِ حَالٍ مِنْ قَوْلِهِ (عَجَبًا) بِالنَّضْبِ خَبَرَ كَانَ وَبِالرَّفْعِ اسْمَهَا وَالْخَبَرَ
وَهُوَ اسْمُهَا عَلَى الْاُولَى (اَنْ اَوْحَيْنَا) اى اِيْحَاوْنَا (إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ) مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اَنْ) مُفْسَّرَةٌ (اَنْذِرِ) خَوْفِ (النَّاسِ) الْكٰفِرِيْنَ بِالْعَذَابِ (وَبَشِّرِ الدِّينَ
اٰمَنُوْا اَنْ) اى بِاَنَّ (لَهُمْ قَدَمٌ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ) اى اَجْرًا حَسَنًا بِمَا قَدَّمُوْهُ
مِنْ الْاَعْمَالِ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) فوائد

تفسیر یہ کی وضاحت تحریر کریں (د) ”عجبا“ کی ذکر کردہ تفسیر کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

الس: اللہ ہی اس سے اپنی مراد کو زیادہ جانتا ہے یہ محکم کتاب یعنی قرآن کریم کی آیات ہیں "آیت الكتاب" میں اضافت بمعنی "من" ہے، کیا ان لوگوں یعنی اہل مکہ کو اس بات سے تعجب ہے، استفہام انکاری ہے اور جار و مجرور "عَجَبًا" سے حال واقع ہو رہا ہے اور "عَجَبًا" نصب کے ساتھ "کان" کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ "کان" کا اسم ہے اور خبر "أَنْ أَوْحَيْنَا... الخ..." ہے اور "أَوْحَيْنَا" اسم ہے پہلی یعنی نصب کی صورت میں "أَنْ أَوْحَيْنَا... إِيحَاؤُنَا" مصدر کے معنی میں ہے، کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں یعنی کافروں کو عذاب سے ڈرائیے "أَنْ" مفسرہ ہے اور جو ایمان لے آئے ہیں ان کو خوشخبری سنائیے، کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچی عزت ہے یعنی ان کے کئے ہوئے اعمال کا اچھا بدلہ ہے۔

جواب (ب)

تفسير العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے کفار مکہ کے ایک فضول تعجب کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ آیات مذکورہ ایک محکم کتاب یعنی قرآن کریم کی ہیں کیا لوگوں یعنی کفار مکہ کو اس بات سے تعجب ہو رہا ہے کہ ہم نے ان میں ہی سے ایک شخص پر وحی نازل کی تا کہ وہ لوگوں کو عذاب سے ڈرائے اور اہل ایمان کو ان کے اعمال پر ملنے والے بدلے کی خوشخبری دے، حالانکہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ہیں، کسی قوم کی اصلاح کیلئے اس قوم ہی کے کسی فرد کو متعین کیا جاتا ہے اس پر تعجب کرنا اور پھر رسول کی رسالت کا منکر ہونا کم عقلی کی دلیل ہے۔

جواب (ج)

فوائد تفسیر:

قوله: هذه الآيات.....

واضح رہے کہ یہاں اسم اشارہ کے مشارالیه میں دو احتمالات ہیں (۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ

اس کا مشارالیه اس سے پہلے موجود قرآن کریم کی آیات ہیں (۲) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آئندہ اس سورت میں جو آیات ذکر کی جائیں گی وہ اس کا مشارالیه ہے، قاعدہ اور اصول کے اعتبار سے یہاں یہ دونوں احتمالات صحیح اور درست ہیں۔

قوله: والاضافة بمعنى من....

اس عبارت سے مفسر نے ”ایت الكتاب“ میں موجود اضافت کی وضاحت کی ہے، مفسر فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں جو اضافت ہے وہ ”من“ کے معنی میں ہے، اور اصل عبارت یہ ہے ”تلك ايات من الكتاب“ یہ کتاب یعنی قرآن کریم کی آیات ہیں۔

قوله: المحکم....

مفسر نے اس جملہ سے ”الحکیم“ کی تحقیق بیان کی ہے حاصل تحقیق یہ ہے کہ آیت میں مذکور ”الحکیم“، فعیل کے وزن پر بمعنی مفعول یا بمعنی فاعل ہے، مفسرین نے ”محکم“ کے دو معنی تحریر کئے ہیں (۱) محکم بمعنی مضبوط (۱) محکم بمعنی غیر منسوخ، پہلے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ یہ آیات اس قرآن کریم کی ہیں جس کا طریقہ بیان اور اسلوب کلام نہایت مضبوط اور پختہ ہے، اور دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ مطلب ہے کہ یہ اس قرآن کی آیات ہیں جس کے احکام غیر منسوخ ہیں، واضح رہے کہ مفسرین کے نزدیک یہاں ”محکم“ کے یہی دوسرے معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ آیات مذکورہ سورہ یونس کی ہیں اور سورہ یونس قرآن کریم کی ایک ایسی سورت ہے جس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

قوله: استفهام انکاری....

مفسر فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے ارشاد ”اکان للناس“ استفهام انکاری ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ کیلئے حضور علیہ السلام کے رسول ہونے پر تعجب کرنا مناسب نہیں ہے۔

قوله: الجار والمجرور حال من قوله عجباً....

یہاں سے، مفسر نے ”اکان للناس عجباً“ کی ترکیب بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ

”لنناس“ جار اور مجرور دونوں ملکر ”عجبا“ سے حال واقع ہو رہے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے ”لنناس“ محذوف کے متعلق ہو کر ”عجبا“ کی صفت بن رہا ہے اور صفت جب موصوف پر مقدم ہوتی ہے تو وہ حال کہلاتی ہے۔

قولہ: مفسرة....

اس جملہ سے مفسر نے حرف ”ان“ کی تحقیق بیان کی ہے، حاصل تحقیق یہ ہے کہ ارشاد باری ”ان اندر“ میں حرف ”ان“ برائے تفسیر بمعنی ”ای“ ہے۔

جواب (د)

”عجبا“ کی ذکر کردہ ترکیب کی وضاحت:

مفسر نے عبارت میں ”عجبا“ کی یہ ترکیب بیان کی ہے کہ ”عجبا“..... ”کان“ فعل ناقص کی خبر مقدم ہے، اور ”ان او حینا“..... ”کان“ کا اسم مؤخر ہے، اور تقدیری عبارت یہ ہے ”اكان ايحاؤنا عجبا للناس“۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے ”عجبا“ کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا ہے، اس صورت میں ”عجب“..... ”کان“ کا اسم ہوگا اور ”ان او حینا“ رفع کے ساتھ اس کی خبر واقع ہوگا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۲۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۷۱﴾

﴿قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ﴾ ولا نافية عطف علی ما قبله
وفی قراءۃ بلام جواب لو ﴿فَتَنَّهُ لَبِثًا﴾ مکث ﴿فِيكُمْ عُمْرًا﴾ سنینا أربعین ﴿مَنْ قَبْلِهِ﴾ لا أحدثکم بشی ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ انه لیس من قبلی۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر لکھتے ہوئے بتائیں

کہ ”ماقبلہ“ سے کیا مراد ہے؟ (ج) ”وفی قرائة... الخ...“ میں مذکور قرأت کی وضاحت کریں اور اس صورت میں آیت کا کیا ترجمہ ہوگا تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور (اے نبی آپ) فرمادیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ قرآن کبھی نہ سناتا اور اللہ تم کو اس کی خبر تک نہ دیتا، اور ”لا“ نافیہ ہے اور اپنے ما قبل ”لو شاء اللہ ماتلوتہ... الخ...“ پر عطف ہے اور ایک قراءت میں لام کے ساتھ ہے ”لو“ کا جواب واقع ہے، پس میں اس (قرآن کے نزول) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر یعنی چالیس سال گزار چکا ہوں میں نے اس وقت تم سے اپنی جانب سے کوئی چیز بیان نہیں کی ہے، پھر کیا تم (اس بات کی) عقل نہیں رکھتے ہو کہ یہ قرآن میری جانب سے نہیں ہے۔

جواب (ب)

تفسير العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم اور نبی علیہ السلام کے مخبر صادق ہونے کی دلیل بیان کی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی آپ ان کفار سے یہ ارشاد فرمادیں کہ (آج جو تم جھکو جھوٹا اور قرآن کو گھڑنے والا سمجھ رہے ہو تو) کیا تو تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ میں نے نزول قرآن سے پہلے بھی تمہارے درمیان چالیس سال کی طویل مدت گزاری ہے، اس مدت میں تم نے کبھی مجھے شعر و سخن یا کوئی مقالہ لکھتے ہوئے نہیں سنا، اگر میں اپنی طرف سے ایسا کلام کہہ سکتا تو کچھ نہ کچھ اس چالیس سال کے عرصہ میں بھی کہا ہوتا، اس کے علاوہ اس چالیس سالہ طویل زندگی میں تم میرے چال چلن میں صدق و دیانت کا تجربہ بھی کر چکے ہو کہ میں نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا تو آج چالیس سال کے بعد آخر جھوٹ بولنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، پس اس سے بدیہی طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ میں اللہ رب العزت کا سچا رسول ہوں اور قرآن

میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اسی کی طرف سے آیا ہوا پیغام ہے۔

(معارف القرآن، شفیح عثمانی ۳/۱۹۱ تا ۱۹۲)

”ما قبلہ“ سے کیا مراد ہے؟:

واضح رہے کہ عبارت مذکورہ میں ”ما قبلہ“ سے مراد حضور علیہ السلام کی وہ مکی زندگی ہے جو آپ علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں نزول قرآن سے پہلے گزاری ہے۔

جواب (ج)

”وفی قرائة... الخ...“ میں مذکور قرأت کی وضاحت:

عبارت مذکورہ میں ”وفی قراءتہ“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے جس قرأت کو بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کے جملہ ”ولا ادراکم بہ“ کو ایک دوسری قرأت میں لام تاکید کے ساتھ ”ولا ادراکم بہ“ بھی پڑھ سکتے ہیں، مفسر فرماتے ہیں اگر آیت مذکورہ کی اس قرأت کو اختیار کیا جائے تو پھر لام تاکید کے ساتھ یہ جملہ اپنے سے پہلے جملے ”لو شاء اللہ ماتلوتہ“ کا جواب واقع ہوگا، اور اس صورت میں اس آیت کا یہ ترجمہ ہوگا کہ اے نبی آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہارے سامنے اس قرآن کو پڑھ کر نہ سنا تا بلکہ اللہ کسی اور کی زبانی تمہیں اس کی خبر دیتا حالانکہ میں اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ایک طویل عمر تمہارے مابین گزار چکا ہوں پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے ہو۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۷۲﴾

(وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن) أَي كَأَنَّهُمْ (لَمْ يَلْبَثُوا) فِي الدُّنْيَا أَوْ الْقُبُورِ (إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ) لِهَوْلِ مَا رَأَوْا وَجُمْلَةِ التَّشْبِيهِ جَالٍ مِنَ الضَّمِيرِ (يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ) يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِذَا بُعِثُوا ثُمَّ يَنْقَطِعُ التَّعَارُفُ لِشِدَّةِ الْأَهْوَالِ وَالْحُمْلَةِ حَالٍ مُّقَدَّرَةٍ

أَوْ مُتَعَلِّقِ الظَّرْفِ (قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ) بِالْبُعْثِ (وما كانوا مهتدين وإِذَا فِيهِ إِدْغَامٌ نُونٌ إِنَّ الشَّرْطِيَّةَ فِي مَا الزَّائِدَةُ (نُرَيْنُكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ) بِهِ مِنْ الْعَذَابِ فِي حَيَاتِكَ وَجَوَابِ الشَّرْطِ مَحْذُوفٌ أَيْ فِذَاكَ (أَوْ نَتَوَفَّيْنِكَ) قَبْلَ تَعْدِيهِمْ (فَبِأَلَيْنَا مُرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ) مُطَّلِعٌ (عَلَى مَا يَفْعَلُونَ) مِنْ تَكْذِيبِهِمْ وَكُفْرِهِمْ فَيُعَذِّبُهُمْ أَشَدَّ الْعَذَابِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر فوائد تفسیر کی روشنی میں تحریر کریں (ج) ”کان“ کی تفسیر ”کانہم“ سے کرنے کی وجہ تحریر کریں (د) حال مقدرہ اور متعلق الظرف کی وضاحت تحریر کریں، نیز ”فذاک“ کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور جس دن اللہ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ وہ منظر کی ہولناکی کی وجہ سے سمجھیں گے کہ گویا وہ دنیا میں یا قبروں میں دن کی ایک گھڑی ہی رہے ہیں، اور تشبیہ کا جملہ ”یحشرہم“ کی ضمیر مفعول سے حال ہے، اور جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو یہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے، پھر ہولناکی کی شدت کی وجہ سے یہ تعارف ختم ہو جائیگا، اور جملہ یا تو حال مقدرہ ہے یا ظرف کے متعلق ہے، واقعی وہ لوگ سخت خسارے میں ہیں جنہوں نے بعث کے ذریعہ اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے نہیں ہیں، اور جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں ”إِذَا“ میں نون شرطیہ کا ”مَا“ زائدہ میں ادغام ہے اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں آپ کو دکھا دیں گے، اور جواب شرط محذوف ہے یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے، یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی ہم آپ کو وفات دیدیں بہر حال ان کو ہمارے پاس تو آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے سب افعال سے باخبر ہے خواہ وہ ان کی تکذیب کے قبیل سے ہو یا کفر و انکار کے قبیل سے، لہذا وہ ان کو شدید عذاب دے گا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے قیامت کے ہولناک منظر کی ایک جھلک بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! آپ ان کفار کو وہ دن یاد دلائیں جس دن اللہ ان کو جمع فرمائے گا اور ہولناکی کی وجہ سے یہ لوگ دنیا اور برزخ میں گزرنے والے اپنے طویل عرصہ کو یہ گمان کریں گے کہ ہم وہاں دن کے ایک حصہ میں سے صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں اور یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے، لیکن یہ پہچاننا صرف جاننے ہی کی حد تک ہوگا آپس میں یہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے بڑوں پر اور بڑوں پر پھینکار ڈالیں گے، اور سارے تعلقات وہاں ٹوٹ جائیں گے، پس اس دن وہ جہنم میں ہوں گے جنہوں نے مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات کا انکار کیا تھا اور دنیا میں ہدایت اختیار نہیں کی تھی اور اللہ ایسے لوگوں کو شدید ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔

آگے اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! آپ کو ان کفار کی حرکات سے غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم نے جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ ہم اس عذاب کو آپ کی زندگی میں دیکھا دیں لیکن اگر ہم نے آپ کی زندگی میں اس کو نہیں دیکھا یا اور اس کے وقوع سے پہلے ہی آپ کو اپنے پاس بلا لیا تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے ان کفار کو ایک نہ ایک دن ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے جب یہ ہمارے پاس آئیں گے تب ہم ان کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کریں گے۔

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

جواب (ج)

”کان“ کی تفسیر ”کانہم“ سے کرنے وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علام نے آیت کریمہ کی تفسیر میں ”کان“ کی تفسیر ”کانہم“ سے کی ہے،

اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسر نے ”کانہم“ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ”کان“ مخفف عن المشقلہ ہے اور اس کا اسم ”ہم“ ضمیر محذوف ہے۔

جواب (د)

حال مقدرہ کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر نے اپنی عبارت ”والجملة حال مقدرہ“ سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں ”یتعارفون“.... ”یحشرهم“ کی ”ہم“ ضمیر سے حال واقع ہے، اور یہ سب جانتے ہیں حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے لیکن یہاں ایک نہیں ہے بایں طور کہ قیامت میں حشر پہلے ہوگا اور تعارف بعد میں پھر یہاں ان کا حال اور ذوالحال ہونا کیسے صحیح ہے؟ مفسر نے حال مقدرہ کہہ کے اس سوال کا جواب دیا ہے، مفسر فرماتے ہیں کہ کفار کو قیامت میں اس حال میں جمع کیا جائے گا کہ ان کیلئے ایک دوسرے سے تعارف کرنا مقدر ہو چکا ہوگا۔

”متعلق الظرف“ کی وضاحت:

واضح رہے کہ مفسر ”متعلق الظرف“ کہہ کر یہ فرما رہے ہیں کہ یہاں لفظ ”یوم“ محذوف ہے، اور اصل تقدیری عبارت یہ ہے ”تعارفون یوم یحشرون“ جس دن کفار کو جمع کیا جائے گا اس دن یہ ایک دوسرے سے متعارف ہوں گے۔
مفسر نے ”فذاک“ کا اضافہ کیوں کیا ہے؟

یہاں ایک سول یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسر نے آیت کریمہ ”لنرینک بعض الذی نعدہم“ کی تفسیر کرتے ہوئے ”فذاک“ کا اضافہ کیوں کیا ہے؟

اس کا جواب ہے یہ کہ مفسر نے اس جملہ کے ذریعہ ایک سوال کا جواب دیا ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیت میں دو شرطیں بیان کیا ہیں (۱) امان رینک (۲) اونتوفینک، اور پھر ان دونوں کیلئے ایک جزاء ”فالینا مرجعہم“ ذکر کی ہے حالانکہ ”امان رینک“ پر ”فالینا مرجعہم“ کا اطلاق فساد معنی کی وجہ سے صحیح نہیں ہے؟ مفسر نے ”فذاک“ کے ذریعہ اس سوال کو جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ جناب! یہاں

”امانرینک“ کی جڑاء محذوف ہے اور وہ ”فذاک“ ہے، اور، طلب یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو آپ کی زندگی ہی میں کفار کو ملنے والے عذاب کا کچھ حصہ دیکھا دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو اس سے پہلے ہی وفات دیدیں اور پھر آخرت میں کفار کو عذاب دیں۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۲۹ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۱۹۱ ﴾

(وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ) قَصَدَتْ مِنْهُ الْجَمَاعَ (وَهُمْ بِهَا) قَصَدَ ذَلِكَ (لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ) قَالَ بِن عَبَّاسٍ مَثَلٌ لَهُ يَعْقُوبُ فَضْرَبَ صَدْرَهُ فَخَرَجَتْ شَهْوَتُهُ مِنْ أَنْامِلِهِ وَجَوَابٌ لَوْلَا لِحَامَعَهَا (كَذَلِكَ) أَرَيْنَاهُ الْبُرْهَانَ (لِنَصْرِفِ عَنْهُ السُّوءَ) الْخِيَانَةَ (وَالْفُحْشَاءَ) الزُّنَى (إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلِصِينَ) فِي الطَّاعَةِ وَفِي قِرَاءَةِ بِن عَبَّاسٍ الْفَتْحِ اللَّامِ أَيْ الْمُخْتَارِينَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) مفسر علام کی بیان کردہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے آیت کریمہ کی ایسی تفسیر جو حضرت یوسف علیہ السلام کے شایان شان ہو تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور وہ (یعنی زلیخا) حضرت یوسف علیہ السلام سے زنا پختہ ارادہ کر چکی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس کا ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کر دی گئی تھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے ان کی شہوت انگلیوں کے ذریعہ نکل گئی، اور ”لولا“ کا جواب ”لجامعہا“ محذوف ہے، اسی طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برہان دکھائی تاکہ ہم ان سے خیانت اور زنا کو دور رکھیں بلاشبہ وہ

در حقیقت وہ ہمارے مخلص بندوں یعنی اطاعت گزاروں میں سے تھے، اور ایک قرأت میں "مخلصین" لام کے فتح کے ساتھ ہے یعنی برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

یہ آیت کریمہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس (زلیخا) نے جب حضرت یوسف علیہ السلام سے جملائے گناہ ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بھی اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے تو ارادہ کر لیتے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اپنے رب کی برہان دیکھ چکے تھے اس لئے آپ علیہ السلام اس سے باز رہے اور ہم نے ان کو برہان دکھا کر ان سے گناہ کو دور رکھا اور گناہ کو دور رکھنا اس لئے تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے اطاعت گزار بندوں میں سے تھے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کو برہان حضرت یوسف علیہ السلام دکھائی تھی وہ کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں صاحب جلالین علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو قول نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کر دی گئی تھی اور آپ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سینہ مبارک پر ہاتھ مارا تھا جس کی وجہ سے جذبات کی گرمی حضرت یوسف علیہ السلام کی انگلیوں سے نکل گئی تھی۔

اب اگر یہاں کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ رب العزت کے ارشاد "وہم بہا" سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی زلیخا کا ارادہ کر چکے تھے یہ بات الگ ہے کہ وہ برہان ربی دیکھ کر رک گئے تھے تو ہم اس کو یہ جواب دیں گے کہ ارشاد ربی "وہم بہا" کا یہ مطلب نہیں جو آپ مراد لے رہے ہیں بلکہ اس کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام برہان ربی دیکھ نہ لیتے ہوتے تو زلیخا کا ارادہ کر لیتے لیکن چونکہ وہ

برہان ربی دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے ارادہ ہی نہیں کیا، اور اگر بالفرض والمحال یہ مراد لے بھی لیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی زلیخا کا ارادہ کر چکے تھے تو یہاں ارادہ سے مراد طبعی میلان ہوگا اور اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت مجروح نہیں ہوتی اس لئے کہ آپ علیہ السلام کا یہ ہم اور طبعی میلان و سوسہ غیر اختیاری کے درجہ میں شمار ہوگا اور سوسہ غیر اختیاری معاف ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۹۲﴾

(وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ) قَصَدَتْ مِنْهُ الْجَمَاعَ (وَهُمْ بِهَا) قَصَدَ ذَلِكَ (لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَثَلٌ لَهُ يَعْقُوبُ فَضْرَبَ صَدْرَهُ فَخَرَجَتْ شَهْوَتُهُ مِنْ أَنْامِلِهِ وَجَوَابٌ لَوْلَا لَجَامَعَهَا (كَذَلِكَ) أَرَيْنَاهُ الْبُرْهَانَ (لِنَصْرِفِ عَنْهُ السُّوءَ) الْحَيَانَةَ (وَالْفَحْشَاءَ) الزَّانَا (إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلِصِينَ) فِي الطَّاعَةِ وَفِي قِرَاءَةِ بَفَتْحِ اللَّامِ أَيْ الْمُخْتَارِينَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت مذکورہ میں حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں کی جانب ہم کی نسبت کی گئی ہے کیا ان دونوں کے ”ہم“ میں فرق تھا؟ مع دلیل تحریر کریں (ج) مذکورہ ہم عصمت انبیاء کے خلاف ہے یا نہیں اور ”برہان ربہ“ سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں (د) کیا ”ہم بہا“ کو ”لولا“ کا جواب بنا سکتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور وہ (یعنی زلیخا) حضرت یوسف علیہ السلام سے زنا پختہ ارادہ کر چکی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس کا ارادہ کر لیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام کی

صورت کر دی گئی تھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے ان کی شہوت انگلیوں کے ذریعہ نکل گئی، اور ”لولا“ کا جواب ”لجامعہا“ محذوف ہے، اسی طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برہان دکھائی تاکہ ہم ان سے خیانت اور زنا کو دور رکھیں بلاشبہ وہ درحقیقت وہ ہمارے مخلص بندوں یعنی اطاعت گزاروں میں سے تھے، اور ایک قرأت میں ”مخلصین“ لام کے فتح کے ساتھ ہے یعنی برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

جواب (ب)

کیا حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے ہم کے فرق تھا؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے ہم کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا دونوں کی جانب کی ہے، اب یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کیا حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا ہم ایک تھا یا ان کے مابین فرق تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں آیت میں مذکور ان دونوں حضرات کے ہم میں فرق ہے بایں طور کہ جس ہم کی نسبت زلیخا کی جانب کی گئی ہے وہ وجودی تھا اور جس ہم کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب کی گئی ہے وہ موجود ہی نہیں تھا جیسا کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتے تو آپ بھی زلیخا کا قصد کر لیتے لیکن چونکہ آپ علیہ السلام اپنے رب کی برہان کو دیکھ چکے تھے اس لئے آپ نے زلیخا کا قصد نہیں کیا، پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب جس ہم کی نسبت کی گئی ہے وہ وجودی نہیں تھا بلکہ صرف زلیخا ہی کا ہم وجودی تھا، اور اگر بالفرض والمحال یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہم بھی وجودی تھا تب بھی ان دونوں کے ہم میں فرق ہے اور وہ فرق اس طرح ہے کہ لفظ ہم عربی میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) ہم بمعنی عزم مصمم (۲) ہم بمعنی وسوسہ، آیت کریمہ میں جس ہم کی نسبت زلیخا کی جانب کی گئی ہے وہ عزم مصمم کے معنی میں تھا اور جس کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب کی گئی ہے وہ وسوسہ کے درجہ میں تھا اور یہ ہم قابل گرفت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے اس قول کی دلیل حضرت یوسف علیہ السلام کا ہم وسوسہ کے درجہ میں تھا قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے بایں طور اگر ان دونوں حضرات کا ہم ایک ہی درجہ کا ہوتا تو دونوں کیلئے ایک ساتھ تشبیہ کا صیغہ کہہ دیا جاتا لیکن آیت کریمہ میں دونوں کیلئے لفظ ہم الگ الگ استعمال کیا گیا ہے پھر اسی کے ساتھ ساتھ زلیخا کی جانب جس ہم کی نسبت کی گئی اس کو لام تالیف اور قد کے ساتھ مؤکد کیا گیا ہے جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کیلئے بغیر کسی تاکید کے ہم کو استعمال کیا گیا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے ان دونوں حضرات کے ہم میں فرق ہے۔

جواب (ج)

کیا مذکورہ ہم عصمت انبیاء کے خلاف ہے؟

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب جس ہم کی نسبت کی گئی ہے یہ عصمت انبیاء کے خلاف نہیں ہے اس لئے یہ ہم وسوسہ اور طبعی میلان کے درجہ میں تھا جس سے کوئی انسان خالی نہیں ہے اور وسوسہ و طبعی میلان عزم کی صورت اختیار کرنے سے پہلے قابل مواخذہ نہیں ہے بایں وجہ یہ ہم عصمت انبیاء کے خلاف نہیں ہے۔

آیت کریمہ میں ”برہان ربہ“ سے کیا مراد ہے؟

آیت کریمہ میں ”برہان ربہ“ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ وہ برہان ربی یہ تھی جس وقت زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے اصرار کر رہی تھی اس وقت گھر کی چھت پھٹی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے، دوسرا قول جسے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے یہاں نقل کیا ہے یہ ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کر دی گئی تھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا جس کی وجہ سے ان کو شہوت انگلیوں کے ذریعہ نکل گئی، اس کے علاوہ اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں جن کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جواب (د)

کیا ”ہم بھا“ کو ”لولا“ کا جواب بنا سکتے ہیں؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ”ہم بھا“ کو ”لولا“ کا جواب بھی بنا سکتے ہیں اس صورت میں اس آیت کا مطلب وہی ہوگا جس کو ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتے تو زلیخا کا ارادہ کر لیتے مگر چونکہ آپ علیہ السلام برہان دیکھ چکے تھے اس لئے آپ نے ارادہ نہیں ہی کیا۔

واضح رہے کہ اس مطلب کو اگرچہ تقدیم تاخیر کی بنیاد پر بعض حضرات نے خلاف زبان قرار دیا ہے لیکن پھر بھی بہت سے مفسرین نے اس کو بیان کیا ہے۔ (معارف القرآن، شفیع عثمانی ۴۹/۵)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۱۹۵﴾

(وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ) لِيَمْتَارُوا الْمَا بَلَّغَهُمْ أَنَّ عَزِيزَ مِصْرَ يُعْطِي الطَّعَامَ بِثَمَنِهِ
(فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ) أَنَّهُمْ إِخْوَتُهُ (وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ) لَا يَعْرِفُونَهُ لِيُعَدَّ عَهْدَهُمْ بِهِ
وَزَنَّهُمْ هَلَاكَةً فَكَلَّمُوهُ بِالْعِبْرَانِيَةِ فَقَالَ كَالْمُنْكَرِ عَلَيْهِمْ مَا أَقْدَمَكُمْ بِلَادِي فَقَالُوا
لِلْمِيرَةِ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ عُيُونَ قَالُوا مَعَاذَ اللَّهِ قَالَ فَمِنْ أَيْنَ أَنْتُمْ قَالُوا مِنْ بِلَادِ كَنْعَانَ
وَأَبُونَا يَعْقُوبُ نَبِيُّ اللَّهِ قَالَ وَلَهُ أَوْلَادٌ غَيْرُكُمْ قَالُوا نَعَمْ كُنَّا أَنْتَى عَشْرَ فَذَهَبَ أَصْغَرْنَا
هَلَكًا فِي الْبُرِّيَّةِ وَكَانَ أَحَبَّنَا إِلَيْهِ وَبَقِيَ شَقِيقَهُ فَاحْتَبَسَهُ لِيَتَسَلَّى بِهِ عَنْهُ -

(الف) عبارت با عرب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) برادران یوسف علیہ السلام کے عزیز مصر کی جانب کتنے سفر ہوئے اور یہ کونسا سفر تھا اور اس سفر

میں حضرت بن یامین ساتھ یا نہیں؟ تحریر کریں (د) حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کو

پہچان گئے تھے لیکن ان کے بھائی ان کو نہیں پہچان سکے اس کی وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

پس جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو یہ اطلاع ملی کہ عزیز مصر قیمتاً غلہ دیتا ہے تو وہ بھی غلہ لینے کیلئے مصر آئے چنانچہ جب یہ بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا لیکن بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے، بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عبرانی زبان میں گفتگو کی، حضرت یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر ان سے معلوم کیا کہ میرے ملک میں آنے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ غلہ لینے کیلئے آئے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جاسوس ہو، کہنے لگے اللہ کی پناہ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلاد کنعان سے اور ہمارے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ رب العزت کے نبی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے معلوم کیا کہ تمہارے علاوہ بھی ان کی کوئی اولاد ہے انہوں نے جواب دیا ہاں ہم کل بارہ بھائی تھے ہمارا چھوٹا بھائی تو جنگل میں گیا تھا اوہ وہاں ہلاک ہو گیا وہ ہمارے والد کو ہم میں سب سے زیادہ پیارا تھا اور اس کا حقیقی بھائی موجود ہے اس کو ہمارے والد صاحب نے اپنے پاس تسلی حاصل کرنے کے لئے روک لیا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس ان کے بھائیوں کے آنے کے واقعہ کو بیان کیا ہے، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مصر میں قحط کا زمانہ آیا تو مصر کے آس پاس کے علاقے جن میں شام کا علاقہ بھی تھا اس قحط سے متاثر ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی سر زمین فلسطین میں جو اس وقت شام ہی کا ایک حصہ تھی رہتے تھے،

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب قحط کے زمانے میں لوگوں کو سستا غلہ دینا شروع کیا تو اس کی اطلاع حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بھی ہوئی ان کو بھی غلہ کی ضرورت تھی چنانچہ یہ بھی مصر روانہ ہو گئے، مصر پہنچ کر غلے حاصل کرنے کے لئے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ میرے بھائی ہیں، واضح رہے کہ یہ کل دس بھائی تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی پہلی والدہ سے تھے جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین اس وقت ان کے ساتھ نہیں تھے بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام تو اپنے ان بھائیوں کو پہچان گئے لیکن بھائی آپ کو نہیں پہچانے اور حق یہ ہے کہ انہیں اس وقت اس کا خیال ہی تھا کہ ان کا وہ بھائی جسے انہوں نے کنعان کے جنگل میں فروخت کر دیا تھا اتنے بڑے عہدے پر بھی ہو سکتا ہے لیکن اللہ کی قدرت آج اسی بھائی کے سامنے یہ موجود تھے اور وہ بھائی ان کو پہچاننے کے باوجود ان کی خاطر مدارات کر رہا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام نے فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ بھر کر ان سب کو دے دیا اور ان سے اس بات کا وعدہ لیکر کے کہ اب کے جب یہ آئیں گے تو اپنے ساتھ اپنے بھائی بنیامین کو بھی لیکر آئیں گے مصر سے کنعان روانہ کر دیا۔

جواب (ج)

برادران یوسف علیہ السلام کے عزیز مصر کی جانب کتنے سفر ہوئے.....

واضح رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام کے عزیز مصر کی جانب کل تین سفر ہوئے ہیں اور آیت کریمہ میں بیان کردہ یہ سفر ان میں سے پہلا سفر تھا اور اس سفر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین ساتھ نہیں تھے۔

جواب (د)

حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی کیوں نہیں پہچان سکے تھے؟:

واضح رہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا

لیکن بھائی آپ علیہ السلام کو نہیں پہچان سکے تھے، علماء نے بھائیوں کے نہ پہچاننے کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ ہے کہ بھائیوں کی حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ ملاقات چالیس سال بعد ہوئی تھی اور اس عرصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ہیئت میں تبدیلی آگئی تھی اس لئے بھائی ان کو نہیں پہچان سکے تھے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۳۲ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۲۰۳ ﴾

(قُلْ لَهُمْ) (إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ) (إِضْلَالَهُ فَلَا تُغْنِي الْآيَاتُ عَنْهُ شَيْئًا) (وَيَهْدِي) (يُرْشِدُ) (إِلَيْهِ) (إِلَى دِينِهِ) (مَنْ أَنْابَ) (رَجَعَ إِلَيْهِ وَيُبَدِّلُ مِنْ مَنْ) (الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ) (تَسْكُنُ) (قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ) (أَيُّ وَعَدَهُ) (أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ) (أَيُّ قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ) (الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ) (مُبْتَدَأُ حَبْرَهُ) (طُوبَى) (مَصْدَرٌ مِنْ الطَّيِّبِ أَوْ شَجَرَةٍ فِي الْجَنَّةِ يَسِيرُ الرَّكَّابُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ مَا يَقْطَعُهَا) (لَهُمْ وَحُسْنُ مَا ب)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر اور فوائد تحریر کریں (ج) آیت میں ذکر اللہ سے کیا مراد ہے تحریر کریں (د) امن اور اطمینان میں کیا فرق ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اے نبی! آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو بے راہ کر دیتا ہے پھر اس کو نشانیاں اور معجزات کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے، اور جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اس کو

اپنے دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ”الَّذِينَ آمَنُوا“ ... ”مَنْ“ سے بدل ہے، جو لوگ ایمان لائے اور ان کے قلوب اللہ کے ذکر یعنی اس کے وعدہ سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی مومنوں کے دلوں کو تسلی ہوتی ہے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے ان کیلئے خوشحالی اور بہترین ٹھکانہ ہے ”الذین امنوا“ مبتداء ہے اور ”طوبی“ اس کی خبر ہے اور ”طوبی“ یا تو ”طیب“ کا مصدر ہے یا اس سے جنت کا ایسا درخت مراد ہے جس کے سایہ میں گھوڑا سوار اگر سو سال تک بھی چلے گا تب بھی اس کی مسافت طے نہیں کر سکے گا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے کفار کے مطالبہ معجزات کا جواب دیا ہے، اہل مکہ کا طریق یہ تھا کہ جب بھی حضور علیہ السلام ان کو توحید کی دعوت دیتے تو وہ آپ علیہ السلام سے اپنی مرضی کے مطابق معجزات طلب کرتے تھے، اس پر اللہ رب العزت نے ان آیات کو نازل فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان سے فرمادیں کہ فرمائی معجزے ظاہر کرنا میرے قبضہ قدرت کی بات نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کا پابند نہیں ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق معجزے بھیجے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جو اس کی جانب رجوع کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت دیدیتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے قلوب اللہ کی یاد اور اسکے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں اور انہیں نیک عمل کرنے والوں کیلئے آخرت میں اچھا انجام ہے۔

فوائد تفسیر:

قولہ: اضلالہ.....

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ ”قل ان اللہ یضل من یشاء“ میں ”یضل“ کی تفسیر ”اضلالہ“ سے کی ہے، اس سے اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ”یشاء“ کے فاعل کا مفعول ”من“ نہیں ہے بلکہ ”اضلال“ ہے جو یہاں محذوف ہے۔

قوله: فلا تغنی.....

مفسر نے اس جملہ سے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہے وہ ایک نہیں اگر ہزار معجزات بھی دیکھ لے گا تب بھی اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور وہ کفر و شرک کی دلدل میں جوں کا توں پھنسا رہے گا۔

قوله: یرشد الی دینہ....

اس عبارت سے مفسر نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں ”الیہ“ کی ضمیر کا مرجع دین ہے جو کہ محذوف ہے۔

جواب (ج)

آیت میں ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟:

آیت میں ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے یہاں ذکر اللہ سے قرآن کریم کو مراد لیا ہے اور دلیل میں ارشاد باری ”انا نحن نزلنا الذکر.... الخ....“ کو پیش کیا ہے، جبکہ بعض یہاں ذکر سے ذکر واذکار اور تسبیحات مراد لیتے ہیں۔

جواب (د)

امن اور اطمینان میں کیا فرق ہے؟:

واضح رہے کہ امن اور اطمینان اگرچہ ہم معنی الفاظ ہیں لیکن ان کے باوجود ان دونوں میں تعلق و مکان کا فرق ہے، امن کا تعلق ظاہر سے اور اطمینان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۰۹﴾

(وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ مَكَّةَ (أَمِنًا) ذَا أَمْنٍ وَقَدْ أَجَابَ اللَّهُ دُعَاءَهُ فَجَعَلَهُ حَرَمًا لَا يُسْفَكَ فِيهِ دَمُ إِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيهِ أَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهُ

وَلَا يَتَخَلَّى خَلَاهُ (وَأَجْنُبْنِي) بَعْدَنِي (وَبَنِيَّ) عَنِ (أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے یا حرم سے باہر قتل کر کے حرم میں داخل ہو جائے تو اس کو حرم میں قصاصاً قتل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اختلاف ائمہ کے ساتھ تحریر کریں۔
جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء مانگی کے اے میرے پروردگار تو اس مکہ شہر کو امن کی جگہ بنا دے، بلاشبہ اللہ رب العزت نے ان کی دعاء کو قبول فرمایا اور مکہ مکرمہ کو حرمت کی جگہ بنا دیا پس مکہ میں نہ کسی انسان کا خون بہایا جاسکتا ہے اور نہ وہاں کسی پر ظلم کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے جانور کو شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ وہاں کی گھاس اُکھاڑی جاسکتی ہے، اور (اے میرے پروردگار) مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے دور رکھ۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کی تفسیر:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعاء کو ذکر کیا ہے، بقول علامہ ابن کثیرؒ کے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں خانہ خدا کی تعمیر کی اور وہاں انسان آباد ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ رب العزت کے حضور یہ دعاء مانگی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ اے اللہ! تو اس جگہ کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے دور رکھ، واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء ہی کا یہ اثر ہے کہ آج مکہ مکرمہ تمام عالم میں امن کی جگہ ہے اور اسی لئے نہ یہاں کسی کو قتل کرنا جائز ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنا روا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ نہ شکار کرنا جائز ہے اور نہ یہاں کی گھاس اُکھاڑنا صحیح ہے، بلکہ ان تمام امور کی انجام دہی مکہ مکرمہ کی سرزمین پر ناجائز و حرام ہے۔

جواب (ج)

اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے.....

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے یا حرم سے باہر قتل کر کے حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جاسکتا ہے یا نہیں اس سلسلے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ حرم میں یا حرم سے باہر جرم کر کے آنے والے انسان سے حرم میں قصاص لینا جائز نہیں ہے بلکہ اولاً کسی بھی طرح اس کو حرم سے باہر لایا جائے گا اور پھر قصاص لیا جائے گا، یہ حضرات اپنے اس مسلک پر حضور علیہ السلام کی حدیث ”ان اللہ حرم مکة فلم تحل لاحد من قبلی ولا تحل بعدی وانما احلت لی ساعة من نهار“ سے استدلال کرتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو تاقیامت قابل حرمت قرار دیا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں موجود کسی بھی شخص سے خواہ وہ مجرم ہی کیوں نہ ہو بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

اس کے برخلاف حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی علیہما الرحمۃ کا مسلک یہ ہے کہ حرم میں جنایت کرنے والے کو یا باہر جنایت کر کے حرم میں پناہ لینے والے کو قصاصاً حرم میں بھی قتل کیا جاسکتا ہے، ان حضرات نے اپنے مسلک پر ترمذی شریف کی روایت ”ان الحرم لا یعیذ عاصیا ولا فارا بدم“ سے استدلال کیا ہے، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حرم کسی عاصی یا قتل کے مجرم کو پناہ نہیں دیتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۰۹﴾

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ أَي بَعْضُهَا وَهُوَ إِسْمَاعِيلُ مَعَ أُمَّةِ هَاجِرٍ

﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ﴾ هُوَ مَكَّةُ ﴿عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ الَّذِي كَانَ قَبْلَ الطُّوفَانِ

(رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفئِدَةً لِّقُلُوبِنَا) (مَنْ النَّاسِ تَهْوَى) تَسْبِيلٌ وَتَحْنٌ (إِلَيْهِمْ)
 قال ابن عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَوْ قَالَ أَفئِدَةَ النَّاسِ لَحَنَّتْ إِلَيْهِ فَارِسٌ وَالرُّومُ وَالنَّاسُ
 كُلُّهُمْ (وَأَرْزُقُهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر فوائد تفسیر کے پیش
 نظر تحریر کریں (ج) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعاء کب مانگی تھی اور ”ربنا“ کیوں منصوب
 ہے نیز ”لِیُقِيمُوا“ کس سے متعلق ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی بعض اولاد یعنی اسماعیلؑ کو مع ان کی والدہ ہاجرہ کے
 بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس کہ جو طوفانِ نوحؑ سے پہلے موجود تھا بسایا ہے،
 اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو اس گھر
 کی طرف مائل و مشتاق کر دے، حضرت عبد اللہ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم
 علیہ السلام ”افئدة الناس“ کہتے تو اس کی طرف فارس اور روم اور تمام لوگ مائل ہو جاتے،
 اور تو انھیں پھلوں یعنی ہر قسم کی پیداوار کی روزی عطا فرماتا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔

جواب (ب) Website: MadarseWale.blogspot.com

تفسیر العبارة: Website: NewMadarsa.blogspot.com

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کو بیان کیا ہے،
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حکم الہی کی تعمیل میں اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ
 رضی اللہ عنہا اور صاحبزادہ محترم حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملکِ شام سے لا کر مکہ مکرمہ کی بے
 آب و گیاہ سرزمین میں چھوڑا تو اس وقت اللہ رب العزت سے دعاء کی تھی کہ اے اللہ! میں نے
 اپنی ذریت کو اس وادی میں آپ کے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے تاکہ یہ نماز قائم

کریں پس تو لوگوں کے قلوب کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں ہر قسم کے پھل بطور روزی عطاء فرمادے۔

واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء سے جہاں اور بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں وہیں یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی اولاد کی دینی اور دنیوی ضرورتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے اور اس سلسلے میں اللہ رب العزت سے بدعاء بھی کرتے رہنا چاہئے۔

جواب (ج)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعاء کب مانگی تھی؟:

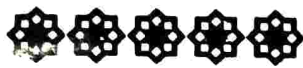
جیسا کہ تفسیر العبارة کے تحت گذر چکا ہے کہ یہ دعاء جو آیت کریمہ میں مذکور ہے کہ اس وقت مانگی تھی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بحکم خدا حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کی غیر آباد سرزمین پر چھوڑ آئے تھے۔

”ربنا“ کیوں منصوب ہے نیز ”لیقیموا“ کس سے متعلق ہے؟ اس کی وضاحت:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ”ربنا“ منصوب ہے، اس کے منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ترکیب میں منادئ مضاف واقع ہو رہا ہے اور منادئ مضاف منصوب ہوتا ہے، اور ”لیقیموا“ صیغہ ”اسکنت“ کے متعلق ہے۔

(اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابراہیم ۲۶۰)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۳۵﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۱۰﴾

(وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ) الْكَافِرُونَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ
(إِنَّمَا يُؤَخَّرُهُمْ) بِأَعْدَابٍ (لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ)

لَهُوْلٍ مَا تَرَى (مُهْطِعِينَ) حال (مُقْنَعِي رُءُوسِهِمْ) إِلَى السَّمَاءِ (لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ) بَصَرُهُمْ (وَأَفْئِدَتُهُمْ) قُلُوبُهُمْ (هُوَ آءٌ) خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ لِفَزَعِهِمْ (وَأَنْذِرْ) خَوْفَ يَا مُحَمَّدَ (النَّاسِ) الْكُفَّارِ (يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ) هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ (فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا) كَفَرُوا (رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”مہطعین“ کے ذوالحال کی وضاحت کریں (د) خط کشیدہ الفاظ کے لغوی اور مرادی معنی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور مکہ کے کافر جو کچھ کرتے ہیں آپ اس سے خدا کو ہرگز غافل نہ سمجھیں وہ تو ان کو عذاب سے صرف اس دن تک مہلت دیئے ہوئے ہیں جس دن منظر کی ہولناکی کے باعث آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی، اور یہ تیزی کے ساتھ آسمان کی طرف اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے (داعی کی آواز کی طرف) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے ”مہطعین“ حال ہے، اور ایک لمحہ کیلئے بھی ان کی پلک نہیں جھپک رہی ہوگی اور ان کے قلوب خوف کی وجہ سے عقل سے خالی ہو چکے ہوں گے، اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کافروں کو اس دن سے ڈرائیئے جس دن ان پر عذاب آئے گا اور مراد قیامت کا دن ہے، اور ظالم لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو ہمیں صرف تھوڑے وقت کی مہلت دیدے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے، مکہ مکرمہ میں جب حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ علیہ السلام کفار کو دعوت

اسلام دیتے تھے تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اسلام کی دعوت کو قبول کرتے آپ علیہ السلام ہی کی شان میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے تھے، اللہ رب العزت نے اس آیت میں کفار کی اسی حرکت پر اپنے نبیؐ کو دلاسا دیا ہے اور فرمایا ہے کہ آپؐ اللہ رب العزت کو کفار کی حرکتوں سے بے خبر گمان نہ کریں اللہ ان کی تمام حرکات سے باخبر ہے اور انہیں صرف قیامت کے دن تک کی ڈھیل ہے جب قیامت کا دن ہوگا اس دن آپؐ ان کا حال دیکھ لینا کہ یہ کیسے پھٹی آنکھوں کے ساتھ ہماری جانب دوڑے چلے آئیں، آپؐ تو صرف کافروں کو قیامت کے عذاب سے خوف دلاتے رہیں باقی ان کو سزا دینا ہمارا کام ہے۔

جواب (ج)

”مہطعین“ کے ذوالحال کی وضاحت:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”مہطعین“ حال ہے اور اس کا ذوالحال لفظ ”اصحاب“ محذوف ہے اور تقدیری عبارت ”اصحاب الابصار مہطعین“ ہے۔

جواب (د)

خط کشیدہ الفاظ کے لغوی اور مرادی معنی:

”تشخص“ یہ باب فتح سے مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ”شخص“ آتا ہے، بمعنی ٹکنگی باندھ کر دیکھنا، آنکھوں کا کھلا رہ جانا، آنکھوں کا چڑھ جانا، یہاں اس سے مراد آنکھوں کا پھٹا رہ جانا ہے۔

”مہطعین“ یہ ”مہطع“ اسم فاعل کی جمع ہے، باب افعال سے استعمال ہوتا ہے بمعنی سر جھکانا تیزی سے دوڑنا، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

”مقنعی“ یہ ”اقناع“ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور باب افعال سے استعمال ہوتا ہے، یہ اصل میں ”مقنعین“ تھا، نون اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، بمعنی اٹھانا، یہاں سر کو اٹھانا مراد ہے۔

”هواء“ یہ اسم ہے بمعنی خالی ہونا، یہاں اس سے قیامت کے دن خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے دل کا خالی ہونا مراد ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۱۵﴾

(فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ) ائى اجهرُ به وَاْمُضِہِ (وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ) هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ (إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ) بِكَ بَانَ أَهْلًا كُنَّا كُلًّا مِنْهُمْ بِآفَةِ وَهَمِ الْوَلِيدِ بْنِ الْمَغِيرَةِ وَالْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ وَعَدِيَّ بْنِ قَيْسٍ وَالْأَسْوَدِ بْنِ الْمُطَّلِبِ وَالْأَسْوَدِ ابْنِ عَبْدِ يَغُوثٍ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیات کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) آیت مذکورہ کس موقع پر نازل ہوئی ہے تحریر کریں (د) ”هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ“ اور ”أَهْلَكْنَا كُلًّا مِنْهُمْ بِآفَةِ“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

پس اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حکم کو جو آپ کو دیا جا رہا ہے کھول کر سناد دیجئے اور نافذ کر دیجئے اور مشرکین سے صرف نظر کر لیجئے یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، آپ سے جو لوگ استہزاء کرتے ہیں ہم ان کے لئے آپ کی طرف سے کافی ہیں، اس طریقہ پر کہ ہم ان سب کو کسی آفت کے ذریعہ ہلاک کر دیں گے، اور (استہزاء کرنے والوں سے مراد) ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس، اسود بن المطلب اور اسود بن عبد یغوث ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

آیات مذکورہ میں اللہ رب العزت نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علی اعلان دعوت اسلام

دینے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور جو لوگ نبی علیہ السلام کیلئے باعث تکلیف و استہزاء تھے ان سے نمٹنے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔

معالم التنزیل میں مذکور ہے کہ جن استہزاء کرنے والوں کو یہاں بیان کیا گیا ہے ان میں پانچ افراد تھے اول ولید بن مغیرہ جو ان سب کا سردار تھا دوسرا عاص بن وائل تیسرا اسود ابن عبدالمطلب چوتھا اسود بن عبد یغوث پانچواں حارث بن قیس، اللہ تعالیٰ نے ان کو حضور علیہ السلام کے ساتھ استہزاء کرنے کی ایسی سزا دی کہ یہ لوگ نشان عبرت بن گئے اور انتہائی بری موت مرے۔

ان لوگوں کی موت کے متعلق منقول ہے کہ ایک دن یہ کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے (زمانہ جاہلیت میں بھی کعبہ شریف کا طواف کیا جاتا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس موقع پر وہاں موجود تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے جب ولید بن مغیرہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس شخص کو کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، اور یہ فرماتے ہوئے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ فرمایا اس کے بعد ولید وہاں سے چلا گیا اس نے اس وقت یمانی چادریں پہن رکھی تھی یہ اپنے تہد کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا کہ راستہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص کھڑا تھا جس کے تیروں کے پر بکھرے ہوئے تھے، ان تیروں کا دھار دار حصہ ولید کے پاؤں میں چبھ گیا لیکن اس نے تکبر کی وجہ سے جھکنا گوارا نہیں کیا اور تیر کو اپنے پیر سے نہیں نکالا بالآخر وہ دھار دار حصہ آگے بڑھتا رہا جس نے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا اور پھر اسی سے مریض ہو کر مر گیا۔

اس کے بعد عاص بن وائل وہاں سے گزرا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسا شخص ہے؟ آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے قدموں کے تلووں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ کی اس سے

حفاظت ہوگئی اس کے بعد عاص بن وائل اپنے دو لڑکوں کے ساتھ تفریح کرنے نکلا ایک گھائی پر پہنچا تو اس کا پاؤں ایک خاردار درخت پر پڑ گیا اس کا ایک کانٹا اس کے پاؤں میں گھس گیا جس سے اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کے برابر ہو گیا اور وہی اس کی موت کا سبب بن گیا۔

اس کے بعد اسود بن عبد المطلب گزرا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسا شخص ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ برا شخص ہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ آپ اس سے محفوظ ہو گئے، چنانچہ وہ اندھا ہو گیا اور برابر دیوار میں سر مارتا رہتا تھا اور بالآخر یہ کہتے ہوئے مر گیا "قَتَلَنِي رَبُّ مُحَمَّدٍ" مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے قتل کر دیا۔

پھر اسود ابن عبد یغوث گزرا حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ اے محمد! یہ کیسا شخص ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ برا بندہ ہے حالانکہ میرے ماموں کا لڑکا ہے، حضرت جبرائیل نے عرض کی کہ اس کی طرف سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، یہ کہہ کر اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا، پس اس کو استسقاء کا مرض لگ گیا۔

اس کے بعد حارث بن قیس کا گزر ہوا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اسے کیسا پاتے ہیں آپ نے فرمایا یہ برا بندہ ہے، حضرت جبرائیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس سے آپ کی حفاظت کر دی گئی، اس کے بعد اس کی ناک سے مسلسل پیپ نکلنے لگی جو اس کی موت کا ذریعہ بن گئی۔

(انوار البیان ۵/ ۱۹۷)

جواب (ج)

آیات مذکورہ کس موقع پر نازل ہوئی ہے؟:

واضح رہے کہ یہ آیات کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی ہیں جبکہ مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام کا کام

خفیہ اور پوشیدہ چل رہا تھا اور اعلانیہ تبلیغ کرنے کی صورت میں کفار کی جانب سے اذیت کا اندیشہ

تھا، اس موقع پر اللہ رب العزت نے ان آیات کو نازل کیا اور اذیت و استہزاء کرنے والوں سے نمٹنے کو اپنے ذمہ لیا اور نبی علیہ السلام کو اعلانیہ تبلیغ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، چنانچہ اس کے بعد ہی اعلانیہ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی گئی۔ (معارف القرآن، شفیح عثمانی ۳۱۲/۵)

جواب (د)

”هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ“ اور ”اهْلِكِنَا كُلًّا مِنْهُمْ بَآفَةٍ“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟

واضح رہے کہ ”هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے یہ بیان کیا ہے کہ آیت میں مشرکین سے اعراض کرنے کا جو حکم مذکور ہے یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا اب چونکہ جہاد کا حکم نازل ہو چکا ہے اس لئے اب کفار سے اعراض کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اگر وہ دعوت اسلام میں روکاوٹ بنتے ہیں تو ان سے جہاد کرنے کا حکم ہے۔

اور ”اهْلِكِنَا كُلًّا مِنْهُمْ بَآفَةٍ“ سے مفسر نے یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ استہزاء کا معاملہ روار کھتے ہیں اللہ رب العزت ان کے متعلق اعلان فرماتے ہیں کہ ہم ان کو کسی نہ کسی آفت میں ضرور مبتلا کریں اور وہ آفت کے چنگل میں گرفتار کر کے ہلاک کر دئے جائیں گے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾



﴿ سوال ۳۷ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۲۲۲ ﴾

(وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ مُمْسِرَةً أَوْ مَصْدَرِيَّةً) (اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا) تَأْوِي إِلَيْهَا (وَمِنَ الشَّجَرِ) بُيُوتًا (وَمِمَّا يَعْرِشُونَ) أَي النَّاسِ يَبْنُونَ لَكَ مِنَ الْأَمَاكِنِ وَإِلَّا لَمْ تَأْوِي إِلَيْهَا (ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي) (أَدْخِلِي (سُبُلَ رَبِّكِ) طَرَفَهُ فِي طَلَبِ الْمَرْعَى (ذُلًّا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) وحی تو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے تو پھر یہاں نحل پر وحی نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تحریر کریں (ج) ”ذلاً“ حال ہے آپ اس کے ذوالحال کو متعین کریں اور اس سلسلے میں جتنے احتمالات ہیں سب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں وحی الہامی کے ذریعہ یہ بات ڈال دی ہے کہ پہاڑوں میں گھر (یعنی چھتے) بنائے تاکہ اس میں پناہ لے سکے ”ان“ مفسرہ یا مصدر یہ ہے، اور درختوں پر بھی بنائے اور ان ٹیوں میں بھی جن کو لوگ اسی غرض سے بلند کرتے ہیں ورنہ شہد کی مکھیاں بغیر الہام الہی کے ان جگہوں میں پناہ نہیں لے سکتی تھی، اور ہر قسم کے پھلوں کا رس چوسے اور اپنے رب کی آسان راہوں میں اپنی غذا کی جستجو کے لئے داخل ہو کر چلتی پھرے، اس کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ میں وحی کا مطلب:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی وحی تو انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے لیکن اس آیت کریمہ میں شہد کی مکھی کی جانب وحی الہی آنے کا تذکرہ ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب یہاں وحی سے وحی اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ وحی لغوی یعنی الہام و ہدایت مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ہم شہد کی مکھی کو یہ بات سمجھا دی ہے کہ وہ ایسا ایسا کرے۔

جواب (ج)

”ذلاً“ حال کا ذوالحال:

واضح رہے یہاں آیت کریمہ میں لفظ ”ذلاً“ حال ہے، اس کا ذوالحال کیا ہے اس سلسلے میں دو احتمال ہیں (۱) پہلا احتمال یہ ہے کہ اس کا ذوالحال ”سبل“ ہو، اس صورت میں مطلب

یہ ہوگا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھی کیلئے راستے آسان کر دئے ہیں، یہ راستے چاہے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں مکھی کو واپسی میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوتی ہے (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا ذوالحال ”اسلکی“ کی ضمیر ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مکھی کو جس کام کیلئے پیدا کیا ہے وہ اس کو بجالاتی ہے۔

شہد کا فائدہ:

واضح رہے کہ شہد اللہ رب العزت کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اللہ رب العزت نے اس میں متعدد فوائد کو ودیعت رکھا جیسا کہ خود ارشاد باری ہے کہ شہد میں انسانوں کیلئے شفاء موجود ہے، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ پیٹ درد اور اسہال کی صورت میں نہایت مفید ہے، اگر کوئی ان بیماریوں میں اس کا استعمال کرے تو اللہ رب العزت کے حکم سے بہت جلد شفاء یاب ہو جائے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۲۵﴾

_____ (وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ) (أَفْسَدَتْ) (غَزَلَهَا) (مَا غَزَلْتَهُ) (مِنْ) (بَعْدَ قُوَّةٍ) (إِحْكَامَ لَهُ) (وَبَرْمٍ) (أَنْكَاثًا) (حَالَ جَمْعٍ) (نَكْثٌ) (وَهُوَ مَا يُنْكَثُ أَيْ يُحَلَّلُ) (إِحْكَامَهُ) (وَهِيَ امْرَأَةٌ حَمَقَاءُ مِنْ مَكَّةَ) (كَانَتْ تَغْزِلُ) (طُولَ) (يَوْمِهَا) (ثُمَّ تَنْقُضُهُ) (تَتَّخِذُونَ) (أَيْمَانَكُمْ) (دَخَلًا) (بَيْنَكُمْ) (أَنْ تَكُونَ أُمَّةً) (جَمَاعَةً) (هِيَ) (أَرْبِي) (مِنْ) (أُمَّةٍ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”غزلهَا“

کے بعد ”ما غزلهَا“ کے اضافہ کرنے کی وجہ اور خط کشیدہ الفاظ کے لغوی معنی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور تم اس عورت کی طرح نہ بنو جو اپنے سوت کو مضبوط اور دہرا کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے

کر دیتی ہے ”انکاث..... نکث“ کی جمع ہے اور (ترکیب میں) حال واقع ہے، اور یہ مکہ کی ایک پاگل عورت کا واقعہ ہے جو دن بھر سوت کات کے شام کو اسے توڑ دیا کرتی تھی، تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ بناتے ہوتا کہ تمہاری ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ جائے۔

جواب (ب)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے مکہ کی ایک عورت کی مثال بیان کر کے لوگوں کو نقض عہد سے بچنے کی تلقین کی ہے، مکہ مکرمہ میں ایک پاگل عورت تھی جو دن بھر سوت کاتا کرتی تھی اور شام کو اسے توڑ دیا کرتی تھی، اللہ رب العزت لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم اپنے معاہدات اور قسموں کے سلسلے میں اس عورت کی طرح نہ بناؤ۔ جس طرح سوت کات کر توڑ دیا جاتا ہے اس طرح اپنے عہد اور قسم کو ختم نہ کرو بلکہ انہیں پورا کیا کرو یہی ایک اچھے انسان کی پہچان ہے۔

جواب (ج)

”غزلہا“ کے بعد ”ماغزلتہ“ کے اضافہ کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ”غزلہا“ کے بعد ”ماغزلتہ“ کا اضافہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ”غزلہا“ مصدر ہے اور آیت میں اس کی جانب نقض کی نسبت کی گئی ہے حالانکہ اس کی جانب نقض کی نسبت نہیں ہوتی مفسر نے ”ماغزلتہ“ تحریر کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ یہاں ”غزلہا“ مصدر مفعول کے معنی میں ہے اور اس کی جانب نقض کی نسبت کرنا صحیح ہے۔

خط کشیدہ الفاظ کے لغوی معنی:

”غزل“ یہ باب ضرب کا مصدر ہے، بمعنی سوت کا تنا۔ ”بزم“ یہ باب نصر کا مصدر ہے، بمعنی کسی چیز کو مضبوط کرنا۔ ”انکاث“ یہ ”نکث“ کی جمع ہے، بمعنی سوت کات کر اس کو ادھیڑ دینا۔ ”اربی“ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور باب نصر سے استعمال ہوتا ہے، بمعنی زیادتی کرنا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۳۷﴾

(أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ) أَي مِنْ وَقْتِ زَوَالِهَا (إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ)
 إِبْتِالِ ظُلْمَتِهِ أَي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ (وَقُرْآنَ الْفَجْرِ) صَلَاةَ الصُّبْحِ
 (إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا) تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے
 ”دلوک الشمس“ اور ”غسق الليل“ کے متعلق اقوال تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور نماز کو سورج ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی چھا جانے تک قائم کرو (اس میں) ظہر، عصر،
 مغرب اور عشاء کی نمازیں داخل ہیں اور فجر کا قرآن یعنی فجر کی نماز قائم کرو بلاشبہ فجر کی نماز کا وقت
 حاضری کا وقت ہے جس میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

جواب (ب)

تفسير العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے صلوٰۃ خمسہ کو قائم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، واضح
 رہے کہ لفظ ”دلوک“ مشترک ہے اس کے اصل معنی مائل ہونے کے آتے ہیں، حضرت
 عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت انسؓ اور حضرت ابو بزرہؓ سلمی نے یہاں اس لفظ سے زوال شمس مراد لیا
 ہے جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اس سے غروب شمس کو مراد لیتے ہیں، اور لفظ غسق کے
 بارے میں صاحب قاموس تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے ظلمتہ اول اللیل مراد ہے اور حضرت امام
 راغبؒ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے شدۃ الظلمتہ یعنی رات کا گہرا اندھیرا مراد ہے۔
 واضح رہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں پانچوں نمازوں کا تذکرہ کیا ہے

بایں طور کے دلوک شمس سے لیکر غسق اللیل کے درمیانی وقت میں چار نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء داخل ہیں، اس کے بعد آگے ”وَقُرْآنَ الْفَجْرِ“ میں فجر کی نماز کا ذکر موجود ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے فجر نماز کا ذکر علیحدہ کیوں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فجر کی نماز کا وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے اس لیے اللہ رب العزت اس کو مستقل طریقے پر ذکر فرمایا ہے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۲۰ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۲۲۱ ﴾

(الْحَمْدُ) هُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيلِ ثَابِتٌ (لِلَّهِ) تَعَالَى وَهَلُ الْمُرَادُ الْإِعْلَامُ بِذَلِكَ لِلْإِيمَانِ بِهِ أَوْ الثَّنَاءِ بِهِ أَوْ هُمَا أَحْتِمَالَاتٌ أُفِيدَهَا الثَّلَاثُ (الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيَّ عَبْدِهِ) مُحَمَّدٌ (الْكِتَابِ) الْقُرْآنَ (وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ) أَيُّ فِيهِ (عَوَجًا) اِخْتِلَافًا أَوْ تَنَاقُضًا وَالْحُمْلَةَ حَالٍ مِنَ الْكِتَابِ (قِيَمًا) حَالٍ ثَانِيَةً مُؤَكَّدَةً (لِيُنذِرَ) يُخَوِّفُ بِالْكِتَابِ الْكَافِرِينَ (بِأَسَا) عَذَابًا (شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهِ) مِّنْ قِبَلِ اللَّهِ (وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) سورہ کہف کے فضائل تحریر کریں (د) ”هو الوصف بالجميل“ کے بعد ”ثابت“ مقررمانے کی وجہ.... ”أفیدها الثالث“ کا مطلب لفظ ”عوجاً“ کی تحقیق اور ”قیماً“ کے معنی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور حمد صفات کمالیہ کے بیان کرنے کو کہتے ہیں ب یہاں جملہ خبریہ کے استعمال سے ثبوت حمد پر ایمان کی خبر دینا مقصود ہے یا انشاء ثناء مقصود ہے

یادوںوں مقصود ہیں یہ کل تین احتمالات ہیں، ان میں سے تیسرا احتمال زیادہ مفید ہے، جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور اس میں کسی قسم کی کجی یعنی لفظی اور معنوی اختلاف نہیں رکھا ہے، اور جملہ ”لَمْ يَجْعَلْ لَهُ“..... ”کتاب“ سے حال واقع ہے، اور حال یہ ہے کہ وہ (کتاب) بالکل سیدھی ہے ”قَيِّمًا“..... ”کتاب“ سے حال ثانیہ ہے اور جملہ حالیہ کی تاکید ہے، تاکہ اللہ رب العزت اس کتاب کے ذریعہ سے کافروں کو اپنے سخت عذاب سے جو کہ اس کی طرف سے ہے ڈرائے، اور ان مؤمنین کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دے کہ ان کیلئے بہترین اجر ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

یہ آیت سورہ کہف کی پہلی آیت ہے، اللہ رب العزت نے سورہ کہف کو سورہ فاتحہ، سورہ انعام اور دیگر بہت سی سورتوں کی طرح حمد باری سے شروع کیا ہے، اس سورت کو حمد باری سے شروع کرنے وجہ یہ ہے کہ یہود نے آپ علیہ السلام کی نبوت جھٹلانے کے لیے مشرکین کو یہ سوال سمجھایا تھا کہ وہ آپ علیہ السلام سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ معلوم کریں اگر آپ علیہ السلام سچے نبی ہیں تو ان واقعات کو بیان کر دیں گے ورنہ بصورت دیگر آپ علیہ السلام کا کاذب ہونا نعوذ باللہ ظاہر ہو جائے گا اور رسالت کی تکذیب سے چونکہ قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے اس لئے اللہ رب العزت نے اس سورت میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے آغاز میں حمد باری کو ذکر کیا ہے، چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا“ تمام تعریفات اللہ رب العزت ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل کی ہے اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی ہے، واضح رہے کہ قرآن کریم کے نہ تو الفاظ میں کوئی خلل ہے اور نہ فصاحت و بلاغت میں کمی ہے اور نہ معنی میں تناقض ہے، اللہ رب العزت نے آیت

مذکورہ میں قرآن کریم سے کجی کی نفی فرما کر ”قَيِّمًا“ ارشاد فرمایا ہے جس سے سابقہ مضمون کی تاکید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم بغیر کجی کے ایک سیدھی سچی کتاب ہے۔
(انوار البیان ۵/۴۰۸)

جواب (ب)

سورہ کہف کے فضائل:

سورہ کہف کے متعدد فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں، یہاں ان تمام فضائل کا احاطہ کرنا اگرچہ دشوار ہے لیکن پھر بھی اس سورت کے چند فضائل بطور جواب ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں...
مسلم شریف میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیات یاد کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا، نیز ایک روایت میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کی تو اس کے لئے اگلے جمعہ تک نور روشن رہے گا۔ (انوار البیان ۵/۴۰۸)
مذکورہ بالا فضائل کے علاوہ اس سورت کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں جنہیں مطولات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

جواب (د)

”هو الوصف بالجميل“ کے بعد ”ثابت“ مقدر ماننے کی وجہ:

واضح رہے کہ یہاں مفسر نے ”هو الوصف بالجميل“ کے بعد ”ثابت“ فعل کے بجائے ”ثابت“ اسم فاعل کو مقدر ماننا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مفسر نے ایک تو یہ بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ میں ”الحمد“ مبتداء ہے، اور ”لله“... ”ثابت“ سے متعلق ہو کر اس کی خبر ہے، دوسرے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اللہ رب العزت کیلئے حمد کا ثبوت دائمی ہے عارضی نہیں ہے۔ (جمالیں ۴/۲۲)

”افیدھا الثالث“ کا مطلب:

واضح رہے کہ مفسر کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جملہ خبریہ سے ثبوت حمد کی جو خبر دی گئی ہے اس کے متعلق جو تین احتمالات تھے یعنی جملہ کا لفظاً اور معنأً خبریہ ہونا یا انشائیہ ہونا ہے یا خبریہ اور انشائیہ دونوں ہونا تو ان میں سے یہ آخری والا تیسرا احتمال مراد لینا زیادہ اولیٰ ہے اس لئے کہ اس صورت میں اخبار اور انشاء دونوں مقصود بالذات ہو جاتے ہیں۔

لفظ ”عوجاً“ کی تحقیق:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور لفظ ”عوج“ دو طرح سے پڑھا جاتا ہے (۱) عین کے کسرہ کے ساتھ اس صورت میں اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا معنی کے اعتبار سے فاسد ہونا (۲) عین کے فتح کے ساتھ اس صورت میں معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا اجسام کے اعتبار سے فاسد ہونا یعنی کسی چیز میں ایسی کجی ہونا جو اعضاء جو ارح سے محسوس ہو سکے، اللہ رب العزت نے یہاں یہ لفظ ذکر کے اس بات کو بیان کیا ہے کہ قرآن کریم معنوی اور عقلی ہر قسم کی کجی سے پاک ہے۔

”قیماً“ کے معنی:

واضح رہے کہ لفظ ”قیماً“ صفت کا صیغہ ہے، اس کے دو معنی آتے ہیں (۱) کسی چیز کا مستقیم یعنی درست ہونا (۲) درست کرنے والا ہونا، مفسر نے یہاں اگرچہ اس لفظ کے پہلے معنی مراد لئے ہیں، لیکن دوسرے معنی مراد لینا بھی صحیح ہے، اس معنی کے اعتبار سے مطلب ہوگا کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جو انسانوں کے دنیوی اور اخروی تمام معاملات کو درست کرتی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۱﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۲۱﴾

(الْحَمْدُ) هُوَ الْوَصْفُ بِالْحَمِيلِ نَابِتٌ (لِلَّهِ) تَعَالَى وَهَلُ الْمُرَادُ الْإِعْلَامُ بِذَلِكَ لِلْإِيمَانِ بِهِ أَوْ الشَّنَاءَ بِهِ أَوْ هُمَا أَحْتِمَالَاتٌ أَفِيدَهَا الثَّالِثُ (الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيَّ عَبْدِيهِ)

مُحَمَّدَ (الْكِتَابِ) الْقُرْآنَ (وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ) أَي فِيهِ (عَوَجًا) اخْتِلَافًا أَوْ تَنَاقُضًا وَالْجُمْلَةَ حَالٍ مِنَ الْكِتَابِ (قِيَمًا) مُسْتَقِيمًا حَالِ ثَانِيَةٍ مُؤَكَّدَةٍ (لِيُنذِرَ) يُخَوِّفُ بِالْكِتَابِ الْكَافِرِينَ (بِأَسَا) مَعْدَابًا (شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ) مِّنْ قِبَلِ اللَّهِ (وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ”هل المراد“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں (ج) ”قیماً... مستقیماً حال ثانیة مؤکدة“ کی وضاحت اور اس سلسلے میں صاحب کشف کیا فرماتے ہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور حمد صفات کمالیہ کے بیان کرنے کو کہتے ہیں اب یہاں جملہ خبریہ کے استعمال سے ثبوتِ حمد پر ایمان کی خبر دینا مقصود ہے یا انشاء ثناء مقصود ہے یا دونوں مقصود ہیں یہ کل تین احتمالات ہیں، ان میں سے تیسرا احتمال زیادہ مفید ہے، جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور اس میں کسی قسم کی کجی یعنی لفظی اور معنوی اختلاف نہیں رکھا ہے، اور جملہ ”لَمْ يَجْعَلْ لَهُ“..... ”کتاب“ سے حال واقع ہے، اور حال یہ ہے کہ وہ (کتاب) بالکل سیدھی ہے ”قِيَمًا“..... ”کتاب“ سے حال ثانیہ ہے اور جملہ حالیہ کی تاکید ہے، تاکہ اللہ رب العزت اس کتاب کے ذریعہ سے کافروں کو اپنے سخت عذاب سے جو کہ اس کی طرف سے ہے ڈرائے، اور ان مؤمنین کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دے کہ ان کیلئے بہترین اجر ہے۔

جواب (ب)

”هل المراد“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ ”هل المراد“ ایک سوالیہ جملہ ہے اور اس جملے سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے

یہ بیان کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جملہ خبریہ کے ذریعہ جو ثبوتِ حمد کی خبر دی گئی ہے اس سے تین باتیں مرادیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو اس بات کی خبر دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف کمالیہ ازلی اور ابدی ہیں، اس صورت میں یہ جملہ لفظاً اور معناً خبریہ ہوگا، اور خبر دینے کے لئے ”ثابت“ محذوف نکال کر جملہ اسمیہ اختیار کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ بندوں کے لئے خداوند قدوس کے لئے کمالات کے ازلی اور ابدی ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے (۲) یا مقصد انشاءِ حمد ہے اس کو مفسر علام نے ”او الشناء بہ“ سے تعبیر کیا ہے، اس صورت میں یہ جملہ لفظاً خبریہ اور معناً انشائیہ ہوگا، گویا اللہ رب العزت نے یہ ارشاد فرمایا ہے ”أَحْمَدُ وَأُنْشَى حَمْدًا لِنَفْسِي لِعَجْزِ خَلْقِي مِنْ كُنْهٍ حَمْدِي“ (۳) یا اخبارِ حمد اور انشاءِ حمد دونوں مقصود ہیں اس کی طرف مفسر نے اپنے قول ”اوہما“ سے اشارہ کیا ہے، اس صورت میں اس جملہ کا استعمال خبر اور انشاء دونوں میں ہوگا، اور یہ حقیقت و مجاز کے اجتماع کے طور پر ہوگا، یعنی جملہ حقیقتاً خبریہ اور مجازاً انشائیہ ہوگا، اور مقصد حمد کے ثبوت پر ایمان کی خبر دینا اور حمد کا انشاء کرنا ہوگا۔ (جمالین ۲/۲۱)

جواب (ج)

”قیماً... مستقیماً حال ثانیة مؤکدة“ کی وضاحت:

واضح رہے کہ عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ”قیماً“ یا تو ”الکتب“ سے حال ثانی ہے، اس صورت میں یہ حال مترادفہ ہوگا یا آیت میں مذکور ”لہ“ کی ضمیر سے حال واقع ہے، اس صورت میں یہ حال متداخلہ ہوگا اور اپنے سے پہلے حال کی تاکید کرنے کی وجہ سے حال مؤکدہ کہلائے گا۔

واضح رہے کہ اس سلسلے میں صاحب ”کشاف“ کی رائے جیسا کہ حاشیہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ آیت کریمہ کے اس جملے کو حال بنانا درست نہیں ہے بلکہ ”ولم يجعل له“.... ”انزل“ پر معطوف ہو کر صلہ ہے، اور ”قیماً“ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، صاحب ”کشاف“ نے اپنے اس قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر ہم ”قیماً“ کو ”الکتب“ سے حال قرار دیں گے تو حال

اور ذوالحال کے مابین فصل ہو جائے جو کہ جائز نہیں ہے، پس صاحب کشف کے بقول تقدیری عبارت اس طرح ہے ”ولم يجعل له عوجا وجعله قيما“۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۴۱)

﴿تم الجواب بعون الملك الوهاب﴾

﴿سوال ۴۲﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴۱﴾

(أَمْ حَسِبْتَ) أَيْ أَظَنَنْتَ (أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ) وَقَدْ سُئِلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِصَّتِهِمْ (كَانُوا مِنْ آيْتِنَا عَجَبًا) خَبَرُ كَانَ وَمَا قَبْلَهُ حَالٌ أَيْ كَانُوا عَجَبًا دُونَ بَاقِي الْآيَاتِ أَوْ أَعْجَبَهَا لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) اصحاب کہف کا مختصر واقعہ تحریر کریں نیز اصحاب کہف کو اصحاب رقیم کیوں کہا جاتا ہے؟ تحریر کریں (ج) ”خبر کان“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے اور ”لیس الامر كذلك“ سے کس جانب اشارہ کیا ہے؟ تحریر کریں۔
جواب (الف)

ترجمة العبارة:

کیا آپ علیہ السلام یہ خیال کرتے ہیں کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم (تختوں والے) ہماری آیات میں زیادہ عجیب تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا قصہ معلوم کیا گیا تھا ”عجبا“... ”کان“ کی خبر ہے اور اس کا ما قبل یعنی ”من آیتنا“... ”کانوا“ کی ضمیر سے حال واقع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ آیات قدرت میں عجیب تھے باقی آیات میں نہیں تھے یا عجائبات میں زیادہ عجیب تھے جبکہ حقیقت حال ایسی نہیں ہے۔

جواب (ب)

اصحاب کہف کا مختصر واقعہ:

یہاں سے اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ

کے بقول اصحاب کہف دقیانوس نامی بادشاہ کے زمانہ میں تھے اور بادشاہوں کی اولاد سے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ انہیں عید کے موقع پر اپنی قوم کے ساتھ جمع ہونے کا اتفاق پڑ گیا انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کو سجدہ کر رہی ہے اور بتوں کی تعظیم میں مشغول ہے قوم کا یہ حال دیکھ کر انہیں قوم سے نفرت ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے اٹھا دیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ صحیح دین پر نہیں ہیں لہذا انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنا دین بنا لیا چونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں میں رہیں گے تو یہ ہمیں دین توحید پر نہیں رہنے دیں گے اس لیے انہوں نے شہر سے باہر ایک غار میں پناہ لے لی، ان کے ساتھ ایک کتابھی تھا جو غار کے دروازہ پر بیٹھ گیا، ان کے غار میں داخل ہونے کے بعد اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ کا ظہور فرمایا اور ان پر نیند مسلط کر دی اور یہ کامل تین سو نو سال تک سوتے رہے، تین سو نو سال کے بعد اللہ رب العزت نے ان کو بیدار کیا انہوں نے بیدار ہو کر اولاً تو اپنے سونے کی مدت کے متعلق بحث کی اور پھر بعد میں اپنے ایک ساتھی کو احتیاط کی تاکید دیکر حلال کھانا لینے کیلئے شہر روانہ کیا لیکن یہ ساتھی جیسے ہی شہر میں پہنچے تو ان کے پاس قدیم سکہ ہونے کی وجہ سے گرفتار کر لئے گئے اور اس وقت کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا دیئے گئے، بادشاہ مسلمان تھا اور ان حضرات کے قصے سے واقف تھا بادشاہ نے ان کی نہایت قدر کی اور ان کے باقی ساتھیوں سے ملنے کیلئے غار پر پہنچا، بادشاہ کے ساتھ آنے والے اصحاب کہف کے ساتھی نے بادشاہ کو باہر ہی روکا اور خود اندر اپنے ساتھیوں کو حقیقت حال بتانے کیلئے تشریف لے گئے، اب یہاں مورخین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کے بعد بادشاہ کی ان حضرات سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ ساتھی کے اندر پہنچتے ہی اللہ رب العزت نے ان تمام حضرات پر موت طاری کر دی تھی اور یہ لوگ بادشاہ کی ملاقات سے پہلے ہی آغوش رحمت میں چلے گئے تھے۔

اصحاب کہف کو اصحاب رقیم کیوں کہا جاتا ہے؟:

واضح رہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں، ان کو اصحاب

کہف غار میں پناہ لینے کی وجہ سے کہا جاتا ہے جبکہ اصحابِ رقیم کہنے کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ رقیم اصحابِ کہف کے کتے کا نام تھا اس لئے ان کو اصحابِ رقیم کہا جاتا ہے جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رقیم پتھروں کی ایک تختی تھی اور اس میں اصحابِ کہف کا قصہ لکھا ہوا تھا اس لئے ان کو اصحابِ رقیم کہتے ہیں اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ رقیم ایلہ اور فلسطین کے درمیان ایک وادی کا نام تھا اور اسی وادی میں وہ غار تھی جس میں اصحابِ کہف نے پناہ لی تھی اس لئے ان کو اصحابِ رقیم کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔ (انوار البیان ۵/۴۱۱)

جواب (ج) Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

”خبر کان“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ ”خبر کان“ سے مفسر نے آیت کریمہ کی ترکیب کو بیان ہے، مفسر کے قول کا حاصل یہ ہے کہ ”عجبا“ جو کہ ”کان“ کی خبر ہے وہ تنہا نہیں ہے بلکہ موصوف محذوف ”آیة“ کی صفت بننے کے بعد ہے اور تقدیری عبارت ”کانوا آیة عجبا“ ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۴۱)

”لیس الامر كذلك“ سے کس جانب اشارہ کیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے اپنے اس جملے سے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ”ام حسبت“ میں لفظ ”ام“ برائے انکار ہے، اور مطلب یہ ہے کہ یہود اصحابِ کہف کے واقعہ کو جتنا قابلِ تعجب سمجھتے ہیں یہ اتنا قابلِ تعجب نہیں ہے اور آپ بھی اس کو قابلِ تعجب نہ سمجھیں بلکہ ہماری قدرت میں اس بھی زیادہ تعجب کی چیزیں موجود ہیں۔ (انوار الزجاجین ۲۴۵)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۳﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴۲﴾

﴿فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوا مِنْ دُونِهِ أَىٰ غَيْرِهِ﴾ (إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا

إِذَا شَطَطًا) أَى قَوْلًا ذَا شَطَطٍ (هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهَا لِهَآءِ لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ) عَلَى عِبَادَتِهِمْ (بِسُلْطَنٍ بَيِّنٍ) بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ (فَمَنْ أَظْلَمُ) أَى لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ (مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا) بِنِسْبَةِ الشَّرِيكِ إِلَيْهِ تَعَالَى۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) اصحاب کہف نے ”فقالوا ربنا“ کس موقع پر کہا تھا؟ تحریر کریں (ج) ”شططا“ کے لغوی معنی تحریر کر کے ”قولا ذا شططا“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں (د) ”فمن اظلم“ کی تفسیر مفسر نے ”لا احد اظلم“ سے کس معنی کر کی ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

پس وہ (اصحاب کہف) کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم اس کے علاوہ کسی اور کو ہرگز نہیں پکاریں گے، اگر ہم نے ایسا کیا تو بلاشبہ یہ بڑی ہی غلط اور حد سے گذری ہوئی بات ہوگی، یہ ہماری قوم ہے جس نے اللہ رب العزت کے علاوہ کو معبود بنا لیا ہے، یہ اپنے معبودوں کی عبادت پر کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے، اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے یعنی اس بڑا کوئی ظالم نہیں ہے جو اللہ رب العزت کی ذات پر اس کی جانب شرک کی نسبت کر کے بہتان لگاتا ہے، جبکہ اللہ رب العزت اس سے بلند و برتر ہے۔

جواب (ب)

اصحاب کہف نے ”فقالوا ربنا“ کس موقع پر کہا تھا؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اصحاب کہف کے دل میں توحید کا جذبہ موجزن تھا تو انہوں نے آیت کریمہ میں ذکر کردہ اپنا قول ”فقالوا ربنا“ کس کے سامنے اور کس موقع پر کہا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! اصحاب کہف نے یہ قول اپنے ظالم اور کافر بادشاہ

دقیانوس کے سامنے اس وقت کہا تھا جب اس نے انہیں بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن انہوں نے اپنے اس قول کے ذریعہ اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

جواب (ج)

”شططا“ کے لغوی معنی اور ”قولا ذا شططا“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ لفظ ”شططا“ باب نصر اور ضرب سے استعمال ہوتا اس کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے اور حق سے دور ہونے کے آتے ہیں، اور مفسر علام علیہ الرحمۃ نے اس کی تفسیر ”قولا ذا شططا“ سے کر کے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ لفظ ”شططا“ کا مضاف محذوف ہے اور یہ مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور مشہور نحوی امام شیخ سیبویہ کے نزدیک بر بناء حال منصوب ہے اور اس کا موصوف ”قولا“ محذوف ہے۔

(حاشیہ جالین شریف ۲۴۲)

جواب (د)

”فمن أظلم“ کی تفسیر مفسر نے ”لا أحد أظلم“ سے کس معنی کر کی ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر علیہ الرحمۃ نے ”فمن أظلم“ کی تفسیر ”لا أحد أظلم“ سے کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر نے ”لا أحد أظلم“ اس کی تفسیر اس بات کو واضح کرنے کے لئے کی ہے کہ یہاں استفہام برائے استفہام نہیں ہے بلکہ برائے نفی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملك الوهاب﴾

﴿سوال ۲۴﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴۲﴾

(وَتَحْسَبُهُمْ لَوْ رَأَيْتَهُمْ (أَيَقَاطَا) أَيُّ مُتَّبِعِينَ لِأَنَّ أَعْيُنَهُمْ مُفْتَحَةٌ

(وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقِلْتُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشَّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ) وَكَانُوا إِذَا انْقَلَبُوا انْقَلَبَ وَهُوَ مِثْلُهُمْ فِي النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ (لَوْ اطَّلَعَتْ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتُمْ مِنْهُمْ فِرَارًا وَكَلِمَاتٍ) بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ (مِنْهُمْ رُغْبًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اگر آپ ان کو دیکھیں گے تو بیدار یعنی چوکس محسوس کریں گے اس لئے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں تاکہ زمین ان کے گوشت کو نہ کھائے اور ان کا کتا غار کے دہانے پر ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے اور جب اصحاب کہف کروٹ لیتے ہیں تو وہ بھی کروٹ لیتا ہے، یعنی نیند اور بیداری میں وہ کتا بھی انہیں کے مانند ہے اور اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو وہاں سے اٹھے پاؤں بھاگ کھڑے ہوں اور آپ کے اوپر دہشت غالب آجائے ”ولملمت“ لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے غار میں موجود اصحاب کہف کی حالت کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف اگر چہ غار میں سو رہے ہیں لیکن اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان پر مطلع ہونگے تو ان کو بیدار انسان کی مانند گمان کریں گے کیوں کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور ان کا کتا غار کے دہانے پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے، اور ہم ان اصحاب کہف کے جسموں کو کروٹ دلاتے رہتے ہیں تاکہ زمین ان کے اجسام کو نہ کھا جائے اور اس کروٹ کے سلسلے میں ان کا کتا بھی انہیں کی مانند ہے یعنی وہ بھی کروٹ بدلتا رہتا ہے اور اے نبی!



Follow All Social Media Network:



काम देख कर follow करें

صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں گے تو آپ پر دہشت طاری ہو جائے گی اور اٹلے پیروہاں سے واپس آجائیں گے۔

جواب (ج)

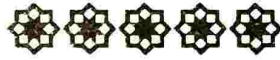
خط کشیدہ کی لغوی تحقیق:

”ایقظ“ اس کا واحد ”یقظ“ ہے اور فعل کے وزن پر صفت مشبہ ہے اس کا مصدر ”یقظ“ آتا ہے اور باب سَمْع سے استعمال ہوتا ہے۔

”رقود“ اس کا واحد ”راقد“ ہے اور مصدر ”رقد... رُقود... رُقاد“ آتا ہے اور باب نَصْر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

”الوصید“ یہ ”وُضِدَ“ کا واحد ہے، بمعنی چوکھٹ، دہلیز۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾



﴿ سوال ۲۵ ﴾

﴿ جلالین شریف صفحہ ۲۲۳ ﴾

(سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةً رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ) أَيُّ بَعْضُهُمْ (خَمْسَةَ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ) وَالْقَوْلَانِ لِنَصَارَىٰ نَجْرَانِ (رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ) أَيُّ الْمُؤْمِنُونَ (سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ) الْجُمْلَةُ مِنَ الْمُبْتَدَأِ وَخَبْرُ صِفَةِ سَبْعَةَ بِزِيَادَةِ الْوَاوِ وَقِيلَ تَأْكِيدَ أَوْ دَلَالَةَ عَلَى لُصُوقِ الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوفِ وَوَصْفِ الْأَوَّلِينَ بِالرَّجْمِ دُونَ الثَّالِثِ دَلِيلَ عَلَى أَنَّهُ مَرَضِيٌّ وَصَحِيحٌ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ”سیقولون“ کی ضمیر کا مرجع متعین کرتے ہوئے آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”الجملة من مبتداء... الخ...“ کا مطلب تحریر کریں (د) اصحاب کہف کس دین پر تھے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

عنقریب بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں قول نجران کے نصاریٰ کے ہیں اور یہ لوگ بلا تحقیق انکل سے ہانک رہے ہیں، اور مؤمن کہیں گے کہ وہ سات تھے آٹھواں ان کا کتا تھا، جملہ مبتداء اور خبر سے ملکر واؤ کی زیادتی کے ساتھ ”سبعة“ کی صفت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واؤ زائدہ ہے اور معنی کی تاکید کے لئے ہے یا صفت کے موصوف کے ساتھ لاحق ہونے پر دلالت کرتا ہے اور پہلے دونوں قولوں کا رجم بالغیب کے ساتھ متصف ہونا اور تیسرے قول کا متصف نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تیسرا قول ہی پسندیدہ اور صحیح ہے۔

جواب (ب)

”سیقولون“ کی ضمیر کا مرجع اور آیت کریمہ کی تفسیر:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کی تعداد کے سلسلے میں ہونے والے اختلاف کو بیان کیا ہے، اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی اس سلسلے میں اختلاف ہے، اس آیت میں اللہ رب العزت نے اس کے متعلق تین اقوال بیان کئے ہیں.....

(۱) اصحاب کہف تعداد تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا (۲) یہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا (۳) یہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا، ان تینوں اقوال میں پہلے دو قول کو اللہ رب العزت نے ”رجماً بالغیب“ کے ساتھ متصف کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں قولوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے البتہ تیسرے قول کے ساتھ اللہ رب العزت نے عدم اعتماد پر دلالت کرنے والا کوئی جملہ ذکر نہیں کیا ہے اس لئے بعض حضرات نے اس تیسرے قول کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔

صاحب ”روح المعانی“ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں اصحاب کہف کے متعلق پہلے دو قول جو ذکر کئے گئے ہیں یہ نصاریٰ کے ہیں، ایک مرتبہ نصاریٰ کا ایک وفد

حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس میں سے عاقب نامی ایک شخص بھی تھا جو نصاریٰ کے فرقہ نستوریہ کا سردار تھا اصحاب کہف کے تذکرہ پر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے یہ پہلے دو اقوال کہے تھے جبکہ آیت میں ذکر کردہ تیسرا قول اہل ایمان نے کہا تھا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کی اصل تعداد کتنی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ میں اگرچہ ان کے متعلق یہ اقوال ذکر کئے ہیں لیکن آخر میں ”قُلْ رَبِّيَ اعْلَمُ بَعْدَتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيلٌ“ آپؐ فرمادیتے ہیں کہ میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے ان کو صرف تھوڑے سے لوگ ہی جانتے ہیں فرما کر ان کی اصل تعداد کے علم کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ (انوار البیان/۴۲۲)

جواب (ج)

”الجملة من مبتداء... الخ...“ کا مطلب:

اس جملے سے مفسر علیہ الرحمہ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ”ثامنهم كلبهم“ مکمل جملہ برائے تاکید نہیں ہے بلکہ مبتداء اور خبر سے ملکر واؤ کی زیادتی کے ساتھ ”سبعة“ کی صفت بن رہا ہے۔

واضح رہے کہ بعض حضرات نے ”سبعة و ثامنهم كلبهم“ میں واؤ کو زیادہ قرار دیا ہے، پس ان حضرات کے مطابق یہ جملہ برائے تاکید ہے۔

جواب (د)

اصحاب کہف کس دین پر تھے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کس دین کے پیروکار تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں علماء کرام کے مابین اختلاف ہے، بعض حضرات نے ان کو دین مسیحی کا پیروکار بتایا ہے جبکہ حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے بہت سے دلائل کی بنیاد پر اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبع نہیں تھے بلکہ ان کا

زمانہ آپ علیہ السلام سے کافی پہلے کا ہے، پس اس قول کے اعتبار سے یہ دین موسوی کے پیروکار ہو سکتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۶﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴۳﴾

(وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ) أَي لَأَجَلٍ شَيْءٍ (إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا) أَي فِيمَا يُسْتَقْبَلُ مِنَ الزَّمَانِ (إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ) أَي إِلَّا مُلْتَبِسًا بِمَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى بِأَنْ تَقُولَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ (وَإِذْ كُرِّرَبَّكَ) أَي مَشِيئَتَهُ مُعَلَّقًا بِهَا (إِذَا نَسِيتَ) التَّعْلِيقُ بِهَا وَيَكُونُ ذِكْرَهَا بَعْدَ النَّسْيَانِ كَذِكْرِهَا مَعَ الْقَوْلِ قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُهُ مَا دَامَ فِي الْمَجْلِسِ (وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنَّ رَبِّي لِأَقْرَبٍ مِنْ هَذَا) مِنْ خَبَرِ أَهْلِ الْكُهْفِ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى نُبُوَّتِي (رَشْدًا) هِدَايَةً وَقَدْ فَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى ذَلِكَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول تحریر کریں (ج) استثناء کے سلسلے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کا کیا مذہب ہے؟ تحریر کریں (د) کیا آیت کی مذکورہ تفسیر احناف کے خلاف ہے؟ اگر ہے تو اس کی صحیح تو جیہ تحریر کریں، نیز ”رشدًا“ کے منصوب ہونے کی وجہ اور ”وقد فعل“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور آپ کسی کام کی نسبت ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اس کو کل کر دوں گا یعنی آئندہ زمانہ میں کسی بھی کام کے بارے میں (نہ کہا کریں کہ کل کر دوں گا) مگر یہ کہ آپ ان شاء اللہ کہہ لیا کریں یعنی ان شاء اللہ کہتے ہوئے اللہ کی مشیت کو شامل فرمایا کریں اور اگر آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں

تو آپ اپنے رب کو یعنی اس کی مشیت کو یاد کر لیا کریں اس طریقہ پر کہ وعدہ کو مشیت سے معلق کر دیا کریں اور نسیان کے بعد یہ ان شاء اللہ کہہ لینا اس کے بروقت (ان شاء اللہ) کہنے کے مانند ہوگا، حضرت حسنؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت صحیح ہوگا کہ جبکہ (قائل) اسی مجلس میں موجود ہو (یعنی مجلس بدلی نہ ہو) اور آپ کہہ دیں کہ مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار میری راہنمائی میری نبوت پر اصحاب کہف کی خبر سے بھی زیادہ دلالت کرنے والی دلیل کی طرف فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کر ہی دیا۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کریمہ کا شان نزول جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت فرمایا تو قریش مکہ نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ منورہ بھیجا اور انہیں تاکید کی یہود چونکہ پہلی آسمانی کتابوں کے عالم ہیں اور ان کے پاس علم موجود ہے جبکہ ہمارے پاس انبیاء علیہم السلام کے علوم نہیں ہیں اس لئے تم مدینہ جا کر یہود کے علماء سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم کر کے آؤ، قریش کے یہ نمائندے مدینہ پہنچے اور یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم کیا اور ان سے کہا کہ تم تورات والے ہو ہم تم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، اس پر یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں معلوم کر لو اگر وہ ان باتوں کو بتادیں تو وہ واقعی نبی مرسل ہیں، ان سے ایک بات تو یہ دریافت کرو کہ زمانہ قدیم میں کچھ نوجوان اپنے گھربار کو چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ کون لوگ تھے ان کا قصہ عجیب ہے اور دوسری بات یہ پوچھو کہ وہ کون شخص تھا جس نے مشرق مغرب کے بڑے بڑے سفر کئے ان کا قصہ بھی عجیب ہے اور تیسرے ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ کیا ہے، یہ باتیں سن کر قریش کے دونوں نمائندے مکہ معظمہ واپس ہوئے اور انہوں نے جا کر کہا کہ اے قریش کی جماعت ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں، یہودیوں نے تین

باتیں بتائی ہیں اس کے بعد وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہود کی پڑھائی ہوئی تینوں باتیں آپ علیہ السلام سے معلوم کیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان باتوں کا جواب میں کل دوں گا لیکن آپ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے یہ سنکر قریش کے لوگ آپ کے پاس سے اٹھ آئے اور ادھر یہ ہوا کہ پندرہ دن تک آپ پر کوئی وحی نہیں آئی اور اس وجہ سے اہل مکہ نے یہ بات اڑانی شروع کر دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا تھا کہ میں تمہارے سوالوں کا جواب کل کو دوں گا لیکن پندرہ دن گزر چکے ہیں ابھی تک کچھ بھی نہیں بتایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے رک جانے اور اہل مکہ کے باتیں بنانے سے سخت دکھ ہو رہا تھا کہ ایک دن اچانک حضرت جبریل علیہ السلام سورہ کہف لیکر آپ علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اللہ رب العزت نے اس سورت میں جہاں قریش کے مذکورہ تمام سوالوں کا جواب عنایات فرمایا وہیں ان آیات میں وحی کے تاخیر سے آنے کا سبب بھی بیان کر دیا اور آپ علیہ السلام کو حکم دیا کہ جب بھی آئندہ آپ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کریں تو ان شاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں، کیونکہ ہر چیز کے موجود ہونے کو اللہ رب العزت کی مشیت پر موقوف کرنا ضروری ہے۔ (انوار البیان ۵/۲۲۳ تا ۲۲۴)

جواب (ج)

استثناء کے سلسلے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مذہب؟:

واضح رہے کہ استثناء یعنی ان شاء اللہ کے متصل اور منفصل ہونے کے سلسلے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان شاء اللہ کلام کے متصلاً کہنا ضروری ہے اگر کسی نے اس کو منفصلاً کہا تو اس کا اعتبار نہیں ہے، جبکہ حضرت امام شافعیؒ علیہ الرحمۃ کا فرمانا یہ ہے کہ آیت مذکورہ کی بنیاد پر منفصلاً بھی ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے۔

جواب (د)

”رشداً“ کیوں منصوب ہے اور ”وقد فعل“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں لفظ ”رشداً“ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے،

اور ”وقد فعل“ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ رب العزت اس آیت میں نبی علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرنے والی جن بڑی بڑی چیزوں کے ظاہر کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اللہ نے یہ تمام چیزیں ظاہر کی ہیں مثلاً آپ علیہ السلام کا شب معراج پر تشریف لے جانا، اولین و آخرین کے علوم کا آپ علیہ السلام کو عطاء ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب وہ علامات ہیں جو آپ علیہ السلام کے نبوت کے صادق ہونے کی بین دلیل ہیں۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۴۴)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۷﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴۵﴾

(وَاضْرِبْ) اجْعَلْ (لَهُمْ) لِلْكَفَّارِ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ (مَثَلًا رَجُلَيْنِ) بَدَلٌ وَهُوَ وَمَا بَعْدَهُ تَفْسِيرٌ لِلْمَثَلِ (جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا) الْكَافِرِ (جَنَّتَيْنِ) بُسْتَانَيْنِ (مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا) يَفْقَاتُ بِهِ (كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ) كِلْتَا مُفْرَدٍ يَدُلُّ عَلَى التَّنْبِيَةِ مُبْتَدَأً (أَتَتْ أَكْلَهَا) ثَمَرَهَا (وَلَمْ تَظْلِمْ) تَنْقِصْ (مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا) يَجْرِي بَيْنَهُمَا (وَكَانَ لَهُ) مَعَ الْجَنَّتَيْنِ (ثَمَرٌ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کا شان نزول کا مصداق کون ہے؟ تحریر کریں (ج) ”کلنا الجنین الخ.....“ کی مکمل ترکیب اور آیت کریمہ کے آخر میں جو لفظ ”ثمر“ ہے اس کا مصداق متعین کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور آپ کافروں اور مؤمنوں کے لئے ان دو شخصوں کا حال بیان کریں ”رجلین“ سے بدل ہے اور ”رجلین“ اور اس کا بعد ”مثلاً“ کی تفسیر ہے، ہم نے ان دونوں میں سے ایک کو جو کافر تھا انگور کے دو باغ دیئے تھے اور ہم نے ان دونوں باغوں کا کھجوروں کے درختوں

کے ذریعہ احاطہ کر دیا تھا اور ان کے بیچ میں کھیتی بھی اگائی تھی جس کے ذریعہ غذا حاصل کی جاتی تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور اس میں بالکل کمی نہیں کرتے تھے ”کَلْتَا“ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے (مگر معنی کے اعتبار سے) تشبیہ پر دلالت کرتا ہے اور ”کَلْتَا“ مبتدا ہے اور ”اَمْت“ اس کی خبر ہے، اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہریں جاری کر رکھی تھیں اور اس شخص کے لئے دو باغوں کے علاوہ اور بھی ثمر یعنی اموال تھے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ کے شان نزول کا مصداق:

آیت مذکورہ کا شان نزول کیا اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے اس آیت کے شان نزول کا مصداق مکہ مکرمہ کے دو مخزومی بھائی ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسود اور اسود بن عبدالاسود کو قرار دیا ہے ان دونوں میں سے اول الذکر مؤمن اور آخر الذکر کافر تھا، جبکہ بعض حضرات نے اس کے شان نزول کا مصداق عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھی اور حضرت سلمان فارسیؓ اور آپؐ کے ساتھیوں کو قرار دیا ہے، بہر حال اس کے شان نزول کا مصداق ان میں سے کوئی بھی ہو اللہ رب العزت نے انہیں بنی اسرائیل میں موجود دو بھائیوں سے تشبیہ دی ہے۔

صاحب ”روح المعانی“ حضرت عبداللہ بن عباس نقل کرتے ہیں کہ ان آیات میں جن دو شخصوں کا واقعہ اللہ رب العزت نے بیان کیا ہے یہ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کے بیٹے تھے جن میں سے ایک نے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا جبکہ دوسرے نے کفر اختیار کر لیا تھا۔

واضح رہے کہ اس رکوع میں اللہ رب العزت نے جو واقعہ بیان کیا ہے یہ واقعہ آئندہ سوال کے تحت مذکور ہے۔ (انوار البیان ۴۳۳/۵..... حاشیہ جلالین شریف ۲۴۵)

جواب (ج)

”کَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ..... الْخ.....“ کی مکمل ترکیب:

”کَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ..... الْخ.....“ کی مکمل ترکیب یہ ہے.....

”کلتا الجنین“ مضاف بامضاف الیہ مبتداء ”اتت“ فعل
 بافاعل ”اکلها“ مضاف بامضاف الیہ مفعول بہ ”اتت“ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر
 مبتداء کی خبر ”واو“ عاطفہ ”لم تظلم“ مضارع مجزوم بافاعل ”منه“ اس کے متعلق ”شیئا“
 مفعول بہ ”واو“ عاطفہ ”فجرنا“ فعل بافاعل ”خللہما“ مضاف بامضاف الیہ ظرف مکان
 منصوب ”نہرا“ مفعول بہ۔ (اعراب القرآن الکریم، للدکتور محمد الطیب الابرہیم ۲۹۷)

آیت کریمہ کے آخر میں موجود لفظ ”ثم“ کا مصداق:

واضح رہے کہ آیت کریمہ کے آخر میں موجود لفظ ”ثم“ کا مصداق مذکورہ باغات کے علاوہ
 دیگر اموال مثلاً نقد اور مویشی وغیرہ ہیں۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۳۵)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۲۸﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۳۵﴾

(قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ) يُجَاوِرُهُ (اَكْفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ)
 لِأَنَّ آدَمَ خُلِقَ مِنْهُ (ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ) مَنَى (ثُمَّ سَوَّكَ) عَدَلَكَ وَصَيَّرَكَ (رَجُلًا لَكِنَّا)
 أَصْلُهُ لَكِنُ أَنَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الْهَمْزَةِ إِلَى النُّونِ أَوْ حُذِفَتْ الْهَمْزَةُ ثُمَّ أُدْغِمَتِ النُّونُ
 فِي مِثْلِهَا (هُوَ) ضَمِيرُ الشَّأْنِ تَفْسِيرُهُ الْجُمْلَةُ بَعْدَهُ وَالْمَعْنَى أَنَا أَقُولُ
 (اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ میں مذکور واقعہ صرف
 تمثیل ہے یا حقیقت ہے؟ تحریر کریں نیز اس واقعہ کی مختصر وضاحت بھی تحریر کریں (ج) ”هو
 يحاوره“ کی ترکیب اور ”لکنا“ کی تعلیل تحریر کریں (د) ضمیر شان اور ضمیر قصہ کس کو
 کہتے ہیں تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اس کے (مؤمن) ساتھی نے اس کی (ان کفریہ) باتوں کے جواب میں کہا کہ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا؟ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی ہی سے پیدا کئے گئے تھے پھر تجھ کو نطفہ یعنی منی سے پیدا کیا اور پھر تجھ کو صحیح سالم یعنی معتدل الاعضاء کا مرد بنایا ”لِکِنَّا“ اس کی اصل ”لِکِن اَنَا“ تھی ہمزہ کی حرکت نون کو دے دی اور ہمزہ کو حذف کر دیا پھر نون کا نون میں ادغام کر دیا، اور ”هُوَ“ ضمیر شان ہے اس کے بعد کا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے اور معنی یہ ہیں کہ میں کہتا ہوں (یعنی میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں) کہ میرا رب تو اللہ ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ہوں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ میں مذکور واقعہ صرف تمثیل ہے یا حقیقت ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں مذکور واقعہ صرف تمثیل ہے یا حقیقت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو صرف تمثیل اور بعض نے حقیقت قرار دیا ہے، لیکن اس واقعہ کے تمثیلی یا حقیقی ہونے سے قطع نظر یہ واقعہ نہایت سبق آموز اور نصیحت افروز ہے اور اللہ رب العزت نے اس کے ذریعہ اہل ایمان اور اہل کفر کی حقیقی حالت کو بیان کیا ہے۔

آیت کریمہ میں مذکور واقعہ کی مختصر وضاحت:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے جس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک مؤمن اور دوسرا کافر تھا ان دونوں کے پاس آٹھ ہزار دینار مشترکہ تھے بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کے والد کے ترکہ سے آٹھ ہزار دینار ان کے حصہ میں آئے تھے، چار چار ہزار دونوں نے تقسیم کر لئے تھے، ان میں سے

کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین خریدی جب مؤمن بھائی کو اس کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ اے اللہ! میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے اور میں تجھ سے ہزار دینار کے بدلے جنت میں زمین خریدتا ہوں اور یہ کہہ کر ایک ہزار دینار راہ خدا میں صرف کر دیئے، پھر کافر بھائی نے شادی کی اور اس پر اس نے ہزار دینار خرچ کئے جب اس مؤمن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ یا اللہ! میرے بھائی نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کی ہے میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض جنت کی حور سے شادی کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ہزار دینار پھر راہ خدا میں خرچ کر دیئے، اس کے بعد اس کے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار کے عوض کچھ غلام اور گھریلو سامان خریدا جب اس مؤمن بھائی کو معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ یا اللہ! میں بھی ایک ہزار دینار کے عوض تجھ سے جنت میں خدام اور سامان راحت خریدتا ہوں یہ کہہ کر اس نے ایک ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے اب اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا اور شدید حاجت مند ہو گیا، اس نے سوچا اگر میں اپنے بھائی کے پاس جاؤں اور اس سے اپنی حاجت کا سوال کروں تو وہ ضرور میری مدد کرے گا، چنانچہ وہ ایک روز اس راستہ پر جا کر بیٹھ گیا جہاں سے اس کے بھائی کی آمد و رفت تھی جب اس کا بھائی بڑی شان و شوکت کے ساتھ وہاں سے گذرا تو اپنے اس غریب مؤمن بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہنے لگا کہ توفلاں شخص ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں وہی یعنی تیرا بھائی ہوں، اس نے اس حالت دیکھ کر کہا کہ یہ تیرا کیا حال ہو گیا ہے؟ تو مؤمن بھائی نے جواب دیا مجھے حاجت شدیدہ پیش آگئی ہے مدد کے لئے تیرے پاس آیا ہوں، کافر بھائی نے معلوم کیا کہ تیرا وہ مال کیا ہوا جو تیرے حصہ میں آیا تھا؟ تو اس مؤمن بھائی نے اس کو پوری صورت حال سے واقف کر دیا، کافر بھائی تمام بات سن کر کہنے لگا میں تو تجھے کچھ نہیں دوں گا کیوں کہ تو تو بڑا سخی ہے پھر کافر بھائی اپنے مؤمن بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغوں میں گھمانے لگے اور کہنے لگا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ میرا یہ مال و دولت کبھی ناپید ہو جائے گا، اس پر اس کے مؤمن بھائی نے اس کو نصیحت کی اور اسی نصیحت کو اللہ رب العزت آیت مذکورہ میں بیان کیا ہے

مؤمن بھائی اس کافر کو نصیحت کرتے ہونے لگا کہ تو اس ذات پر کفر اختیار نہ کر جس نے تجھ کو اولاً مٹی اور ثانیاً منیٰ کی بوند سے پیدا کیا ہے اور پھر تجھ کو صحیح اعضاء والا کامل انسان بنایا ہے اور جہاں تک میرا سوال ہے تو میں اپنے اس رب کے ساتھ نہ تو کسی کو شریک کرتا ہوں اور نہ ہی کبھی کروں گا بلکہ میں تو اس کا مطیع و فرماں بردار ہوں۔ (جمالین ۴/۱ تا ۵۲)

جواب (ج)

”ہو یحاورہ“ کی ترکیب اور ”لکنا“ کی تعلیل:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور ”ہو یحاورہ“ کی ترکیب یہ ہے کہ یہ جملہ مبتداء اور خبر سے ملکر حال واقع ہو رہا ہے، اور ”لکنا“ کی تعلیل جیسا کہ خود مفسر علام علیہ الرحمہ نے بیان کی ہے یہ ہے یہ لفظ اصل میں ”لکن انا“ تھا اولاً ہمزہ کی حرکت نون کو دیدی اور پھر ہمزہ کو حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کر دیا گیا اس طرح یہ ”لکنا“ ہو گیا۔

جواب (د)

ضمیر شان اور ضمیر قصہ کس کو کہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ نحوی حضرات کی اصطلاح میں ضمیر شان اور ضمیر قصہ اس ضمیر غائب کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی مرجع کے جملے کے شروع میں مذکور ہوتی ہے اور بعد والا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے، اب یہ ضمیر اگر مذکر کیلئے ہے تو اس کو ضمیر شان اور اگر مؤنث کیلئے ہے تو ضمیر قصہ کہتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۹﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۴۶﴾

(وَاضْرِبْ) صَيِّرْ (لَهُمْ) لِقَوْمِكَ (مَثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءِۤ اَنْزَلْنٰهُ مِنْ السَّمٰۤءِۤ

فَاخْتَلَطَ بِهٖ) تَكَائِفَ بِسَبَبِ نَزْوْلِ الْمَآءِ (نَبَاتُ الْاَرْضِ) اَوْ اَمْتَزَجَ الْمَآءُ بِالنَّبَاتِ

فَرَوِي وَحَسَنَ (فَأَصْبَحَ) فَصَارَ النَّبَاتُ (هَشِيمًا) يَابِسًا مُتَفَرِّقَةً أَجْزَاؤُهُ (تَذْرُؤُهُ) تَنْثُرُهُ
وَتُفَرِّقُهُ (الرَّيْحُ) فَتَذْهَبُ بِهِ الْمَعْنَى شَبَّهَ الدُّنْيَا بِنَبَاتٍ حَسَنٍ فَيَبِسَ فَتَكْسَرُ فَتَفَرِّقُهُ
الرِّيَّاحُ وَفِي قِرَاءَةِ الرَّيْحِ (وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) ”واضرب“ کے دونوں مفعولوں کی
تعیین کریں (ج) مشبہ اور مشبہ بہ کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنی قوم کے لئے دنیوی زندگی کی مثال بیان کیجئے
(دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) جیسے ہم نے بادلوں سے پانی برسایا اور اس (پانی) کی وجہ سے
زمین کا سبزہ آپس گتھ کر سرسبز و بارونق ہو گیا پھر وہ سبزہ سوکھ کر ایسا چورا چورا ہو گیا کہ اس کے ذرے
متفرق ہو گئے اور ہوا اس کو اڑائے پھرتی ہے حتیٰ کہ ہوا کی وجہ سے اس کا نام و نشان مٹ گیا، اور
مطلب یہ ہے کہ آپ دنیا کو ایسے خوشنما سبزے سے تشبیہ دیجئے جو آخر کار خشک ہو کر چورا ہو جاتا
ہے اور پھر ہوا اس کو منتشر کر دیتی ہے، ایک قرأت میں ”الریح“ کے بجائے ”الریح“ آیا ہے،
اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر قادر ہیں۔

جواب (ب)

”واضرب“ کے دونوں مفعولوں کی تعیین:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں ”واضرب“ بمعنی ”صیر“ ہے، اس کا پہلا مفعول
”مثل الحیوة الدنیا“ ہے اور دوسرا مفعول ”کما انزلنہ“ ہے۔

جواب (ج)

مشبہ اور مشبہ بہ کی وضاحت:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت دنیوی زندگی کو بارش سے اگنے کے بعد فنا ہونے والی

گھانس کے ساتھ تشبیہ دیکر اس کی حقیقت کو بیان کیا اور انسانوں کو اس زندگی کی ناپائیداری پر مطلع فرمایا ہے، اللہ رب العزت اپنے پاک نبی علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان قریش کی اس سرکش قوم سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ یہ ایسی ہے جیسے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں تو اس پانی سے زمینی بناتاات خوب گنجان ہو جاتی ہیں لیکن پھر چند ہی دن کے بعد خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور اس کو ہوا اڑائے پھرتی ہے پس جس طرح اس عارضی زمینی سبزہ کا حال ہوتا ہے یہی حال دنیا اور اس کی زندگی کا ہے، آج انسان کو دنیا کی یہ زندگی بڑی شاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے مگر کل اس کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مکمل طریقے سے قادر ہیں۔ (جمالین ۴/۵۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۵۰﴾

﴿جلالین شریف صفحہ ۲۲۷﴾

(وَإِذْ) مَنْصُوبٌ بِأذْكَرُ (قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ) سُجُودٌ اِنْجِنَاءٌ لَا وَضْعَ جَبْهَةً تَحِيَّةً لَهُ (فَسَجَدُوا اِلَّا ابْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ) قِيلَ هُوَ نَوْعٌ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ فَالِاسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَقِيلَ هُوَ مُنْقَطِعٌ وَاِبْلِيْسَ هُوَ أَبُو الْجِنِّ فَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ذُكِرَتْ مَعَهُ بَعْدَ وَالْمَلٰئِكَةِ لَا ذُرِّيَّةَ لَهُمْ (فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) عبارت مذکورہ کی تفسیر مع فوائد تحریر کریں

(ج) ”وَإِذْ قُلْنَا“ میں ”أذ“ کونسا ہے اور ”وَابْلِيْسَ ابُو الْجِنِّ“ سے مفسر علام کیا کہنا چاہتے ہیں

تحریر کریں (د) غیر اللہ کو سجدہ کرنا ناجائز ہے پھر ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون کیوں قرار

دیا گیا ہے؟ جواب تحریر کریں (ه) سجدہ تعظیمی کا کیا حکم ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ کرنے کا حکم دیا یعنی انہیں حضرت آدم علیہ السلام کیلئے پیشانی زمین پر رکھے بغیر جھکنے کا حکم دیا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے جو کہ جنات میں سے تھا (سجدہ نہیں کیا) کہا گیا ہے کہ جنات فرشتوں کی اقسام میں سے ایک قسم ہیں پس اس صورت میں یہاں مستثنیٰ متصل ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے اور ابلیس جنات کا جدِ اعلیٰ ہے اور اس کی اولاد بھی موجود ہے جیسا کہ بعد والی آیت میں آرہا ہے جبکہ فرشتوں کے اولاد نہیں ہے پس ابلیس نے اپنے جنات ہونے ہی کی وجہ سے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ابلیس کی جانب سے ظاہر ہونے والی نافرمانی کو بیان کیا ہے، خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو تمام فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ تمام فرشتوں نے ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے جنات میں سے ہونے وجہ سے سجدہ نہیں کیا ہے اور اپنے رب کی نافرمانی کر کے ہمیشہ کیلئے راندہ درگاہ ہو گیا۔

فوائد تفسیر:

قوله: سجود انحاء....

اس جملہ سے مفسر علیہ الرحمۃ نے ایک اشکال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا تو کفر ہے پھر اللہ رب العزت نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام

کیلئے سجدہ کرنے کا حکم کیوں دیا تھا، مفسر اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی دو قسمیں (۱) سجدہ عبادت، یعنی کسی کو معبود سمجھ کر اس کے آگے اپنا سر زمین پر رکھنا (۲) سجدہ تعظیمی، یعنی کسی کیلئے بطور تعظیم کے سر کو جھکانا، اور کفر غیر اللہ کو سجدہ عبادت کرنے سے لازم آتا ہے سجدہ تعظیمی کرنے سے لازم نہیں آتا اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہی سجدہ تعظیمی کیا تھا۔

قوله: قيل هم نوع من الملائكة....

یہاں سے مفسر نے ابلیس اور جنات کی تحقیق بیان کی ہے، یہ بات یقینی ہے کہ ابلیس جنات میں سے ہے لیکن جنات کیا ہیں اس میں اختلاف ہے بعض حضرات کے نزدیک جنات فرشتوں کی ایک قسم ہیں البتہ یہ فرشتوں کی طرح معصوم نہیں ہیں جبکہ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ جنات فرشتوں سے الگ ایک مخلوق ہے اور ابلیس ان کا جدا علیٰ ہے اور اس کی باقاعدہ اولاد بھی موجود ہے اور یہی اس کے فرشتہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔

قوله: فالاستثناء متصل وقيل منقطع....

یہاں سے مفسر نے آیت کریمہ کے جملہ ”فسجدوا لالابلیس“ کے استثناء کی تحقیق پیش کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جنات کے متعلق اگر یہ قول اختیار کیا جائے کہ یہ فرشتوں کی ایک قسم ہے تو پھر ”فسجدوا لالابلیس“ میں استثناء متصل ہوگا اور اگر جنات کو فرشتوں سے الگ ایک مخلوق قرار دیا جائے تو پھر اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔

جواب (ج)

”واذ قلنا“ میں ”اذ“ کونسا ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے آیت کریمہ کے اندر ”واذ قلنا“ میں ”اذ“ کونسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ”اذ“ ظرفیہ ہے اور ”ذلک“ کا مشار الیہ محذوف ہے، اور مطلب یہ ہے ”اذ کر یا محمد لقومک وقت قولنا للملائكة.... الخ...“ اے محمد! آپ اپنی قوم سے

اس وقت کا ذکر کریں جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے جو کہ جنات میں سے تھا سجدہ نہیں کیا۔
 ”و ابلیس ابو الجن“ سے مفسر علامہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟:

واضح رہے کہ مفسر علامہ نے اپنے قول ”و ابلیس ابو الجن“ سے ”فسجدوا الابلیس“ کے مستثنیٰ منقطع ہونے کی دلیل بیان کی ہے، مفسر کے نزدیک ”فسجدوا الابلیس“ میں مستثنیٰ منقطع ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابلیس جنات کا جدِ اعلیٰ ہے اور اس کی اولاد بھی موجود ہے جبکہ فرشتے کسی کے جدِ اعلیٰ نہیں ہیں اور ان کے کوئی اولاد ہے، جنات آگ سے اور فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں، پس اس ثابت ہوتا ہے جنات فرشتوں سے الگ ایک مخلوق ہیں اور یہاں ”فسجدوا الابلیس“ میں مستثنیٰ منقطع ہے۔ (حاشیہ جلالین ۲۴۷)

جواب (د)

غیر اللہ کو سجدہ کرنا ناجائز ہے پھر ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون کیوں قرار دیا گیا؟:
 یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب غیر اللہ کو سجدہ کرنا من جانب اللہ حرام ہے تو پھر ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جناب! ابلیس غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون قرار نہیں دیا گیا بلکہ حکم خداوندی کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ سے ملعون قرار دیا گیا ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اس وقت حرام ہے جب اللہ اس کو کرنے کو حکم نہ دے لیکن یہاں خود اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے یہ سجدہ حرام نہیں تھا بلکہ جائز تھا اور ابلیس کو اسی جائز امر پر اللہ کے حکم دینے کے باوجود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ملعون قرار دیا گیا ہے۔

جواب (ه)

سجدہ تعظیسی کا کیا حکم ہے:

واضح رہے کہ سجدہ تعظیسی کا حکم یہ ہے کہ یہ پہلی امتوں میں جائز تھا لیکن اس

امت میں اس کا کرنا ممنوع ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۵﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۴۷﴾

(وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ) صِفَةٌ لِمَحْذُوفٍ أَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَّعِظُوا (وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا) حُصُومَةٌ فِي الْبَاطِلِ وَهُوَ تَمْيِيزٌ مَنْقُولٌ مِنْ اسْمِ كَادَ، الْمَعْنَى وَكَانَ جَدَلُ الْإِنْسَانِ أَكْثَرَ شَيْءٍ فِيهِ (وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأُولَىٰ) فَاعِلٌ أَيْ سُنَّتَنَا فِيهِمْ وَهِيَ الْإِهْلَاكُ الْمُقَدَّرُ عَلَيْهِمْ (أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قَبْلًا) مُقَابَلَةٌ وَعِيَانًا وَهُوَ الْقَتْلُ يَوْمَ بَدْرٍ وَفِي قِرَاءَةِ بَضْمَتَيْنِ جَمْعُ قَبِيلٍ أَيْ أَنْوَاعًا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) ”الانسان.... الناس.... اور..... الهدى“ کا مصداق متعین کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین مختلف انداز سے بیان کئے ہیں ”من کل مثل“ موصوف محذوف ”مثلاً“ کی صفت ہے یعنی ہر قسم کی مثالیں نصیحت حاصل کرنے کیلئے بیان کی ہیں، لیکن (کافر) انسان بڑا جھگڑالو ہے یعنی خصومت میں باطل طریقہ اختیار کرتا ہے ”جدلاً“.... ”کان“ کے اسم سے منقول ہو کر تمیز ہے اور تقدیری عبارت ”وکان جدل الانسان اکثر شیء فیہ“ ہے اور لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے پروردگار سے معافی طلب کرنے سے ان کے پاس ہدایت قرآن پہنچنے کے بعد صرف اس انتظار نے روکا ہے کہ ان کو بھی پہلی امتوں جیسا معاملہ پیش آجائے اور مراد وہ ہلاکت ہے جو ان

کیلئے مقدر ہو چکی تھی یا عذاب ان کے روبرو اکھڑا ”قَبْلًا“ کسی چیز کے روبرو نظروں کے سامنے ہونے کے معنی میں ہے اور یہ (عذاب) بدر کے دن قتل کی شکل میں پیش آیا ہے، اور ایک قرأت میں ”قَبْلًا“ قاف اور فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے جو کہ قبیل کی جمع ہے، اور انواع کے معنی میں ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے انسان کی فطری عادت کو بیان کیا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم میں ہر قسم کے مضامین بیان کر دئے ہیں اور ان کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان نصیحت حاصل کر لے اور اللہ کی توحید کا قائل ہو کر اس کے عذاب سے بچ جائے لیکن حق یہ ہے کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے اور ہر کام میں جھگڑے بازی سے کام لیتا ہے۔

واضح رہے کہ انسان کی عادت کے متعلق جو مضمون اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں بیان کیا ہے اس کو قرآن کریم کی دیگر سورتوں میں بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ سورہ یسین میں ارشاد فرمایا ہے ”أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْقَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ“ اور سورہ زخرف میں فرمایا ہے ”مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ“ پس ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جھگڑا اور جدال انسان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن یہ کوئی لازمی چیز نہیں ہے اگر انسان چاہے تو اپنی اس عادت کو تبدیل بھی کر سکتا ہے اور اگر کسی کی یہ عادت دینی امور میں دخل انداز ہو تو پھر اس کے لئے اپنی اس عادت کو تبدیل کرنا لازم اور ضروری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم (تہجد کی) نماز نہیں پڑھتے (مقصد تہجد کیلئے بیدار کرنا تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری جانیں اللہ رب العزت کے قبضہ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے اٹھا دیتا ہے یہ سن کر آپ علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا اور

واپس ہوتے ہوئے اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت تلاوت فرمائی ”وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا“ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں انسان کی اس عادت کو بیان کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان بالخصوص اہل مکہ کے پاس ہدایت آنے کے بعد ان کو ایمان لانے اور اللہ رب العزت سے معافی طلب کرنے سے صرف اس بات نے روک رکھا ہے ان کے ساتھ بھی کچھلی امتوں کی طرح ہلاکت کا معاملہ پیش آجائے، یا انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے آمنے سامنے عذاب آ کر کھڑا ہو جائے، واضح رہے کہ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کو قبول نہ کرنا بھی جھگڑے ہی کی ایک قسم ہے۔

جواب (ج)

”الانسان.... الناس..... اور..... الہدی“ کا مصداق:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ”الانسان“ سے مراد کافر انسان ہے، اور ”الناس“ سے مراد اہل مکہ ہیں اور ”الہدی“ سے مراد قرآن کریم ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۲﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۴۹﴾

(فَوْجًا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) متعلقہ واقعہ پر مختصر روشنی ڈالتے ہوئے

”عبدًا“ کا مصداق اور ”رحمۃ“ کی مراد تحریر کریں نیز یہاں ”علما“ سے کونسا علم مراد ہے؟

یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے ہمارے

بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور اس بندے کو ہم نے اپنے پاس سے خاص علم عطاء کیا تھا۔

جواب (ب)

متعلقہ واقعہ پر مختصر روشنی:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے خادم حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے واقعہ کو بیان کیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے وعظ فرمایا جس سے حاضرین کی آنکھیں نم ہو گئیں، اور دل نرم ہو گئے، لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معلوم کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہوں، اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ جواب پسند نہ آیا، وحی کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ آپ سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدا یا مجھے اس کا پتہ بتادیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مچھلی تل کر اپنے تھیلے میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر شروع کرو جس جگہ مچھلی گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی جگہ ہمارا وہ بندہ موجود ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب ہدایت سفر شروع کیا اور اپنے خادم حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا اور مچھلی والا تھیلا دے کر فرمایا کہ مچھلی کا خیال رکھنا اور فرمایا کہ میں مجمع البحرین پہنچنے تک برابر سفر کرتا رہوں گا اگرچہ منزل مقصود تک پہنچنے میں ایک طویل زمانہ ہی کیوں نہ گزر جائے، مطلب یہ تھا کہ میں منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لوں گا، خلاصہ یہ کہ جب یہ دونوں حضرات مجمع البحرین کے مقام پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ دیر آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بیدار تھے کہ اللہ کے حکم سے اچانک مچھلی زندہ ہوئی اور سمندر میں چلی گئی اور مچھلی کے داخل ہونے کی جگہ ایک سرنگ نما سوراخ بن گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیدار ہو کر آگے سفر شروع کیا کہ تھکن لاحق ہو گئی اس وقت حضرت یوشع بن نون

علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھلی کا واقعہ سنایا اور پھر یہ حضرات واپس چھلی کے زندہ ہونے کی جگہ آئے اور یہاں ان کی ماقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی جس کی مکمل تفصیل اللہ رب العزت نے قرآن کریم کے ان دو رکوع میں بیان کی ہے۔ (جمالین ۴/۳۷)

”عبداً“ کا مصداق اور ”رحمةً“ کی مراد اور ”علماً“ سے کونسا علم مراد ہے اس کی تعیین: واضح رہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”عبداً“ کا مصداق حضرت خضر علیہ السلام ہیں اور ”رحمةً“ سے مراد بقول بعض نبوت اور بقول جمہور ولایت ہے، اور ”علماً“ سے مراد مغیبات کا علم ہے۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾



﴿ سوال ۵۳ ﴾

﴿ جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۱ ﴾

(وَيَسْأَلُونَكَ) أَيُّ الْيَهُودِ (عَنْ ذِي الْقُرْنَيْنِ) اسْمُهُ اسْكَنْدَرٌ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا
(قُلْ سَاتِلُوا) سَأَقْصُ (عَلَيْكُمْ مِنْهُ) مِنْ حَالِهِ (ذِكْرًا) خَبْرًا (إِنَّمَا كُنَّا لَهُ فِي
الْأَرْضِ) بِتَسْهِيلِ السَّيْرِ فِيهَا (وَأَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ) يَحْتَاجُ إِلَيْهِ
(سَبَبًا) طَرِيقًا يُوصِلُهُ إِلَى مُرَادِهِ (فَاتَّبَعَ سَبَبًا) سَلَكَ طَرِيقًا نَحْوَ الْمَغْرِبِ (حَتَّى
إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ) مَوْضِعَ غُرُوبِهَا (وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ) ذَاتِ
حَمْدَةٍ وَهِيَ الطِّينُ الْأَسْوَدُ وَغُرُوبُهَا فِي الْعَيْنِ فِي رَأْيِ الْعَيْنِ وَإِلَّا فَهِيَ
أَعْظَمُ مِنَ الدُّنْيَا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) سکندر ذوالقرنین کی ذات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ نبی تھے یا نہیں؟ تحریر کریں (ج) ”وغروبها في العين“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور آپ سے یہود ذوالقرنین کا واقعہ دریافت کرتے ہیں، ان کا نام اسکندر ہے اور یہ نبی نہیں تھے آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ان کا کچھ حال سناتا ہوں، ہم نے زمین میں سفر آسان کر کے ان کو زمین میں قدرت عطاء کی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کے وسائل جن کی (بادشاہوں) کو ضرورت ہوتی ہے اور جن کے ذریعہ مقصد تک رسائی ہوتی ہے بخشے تھے، چنانچہ وہ مغرب کی جانب ایک راستہ پر ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مغرب میں پہنچ گئے تو انہوں نے سورج کو ایک گدے چشمہ میں ڈوبتا ہوا پایا، یہاں گدے چشمے سے مراد کالی مٹی کا چشمہ ہے، اور سورج کا چشمہ میں غروب ہونا دیکھنے والے کی نظر کے اعتبار سے ہے ورنہ سورج تو دنیا سے بہت بڑا ہے۔

جواب (ب)

اسکندر ذوالقرنین کی حیات مبارکہ:

واضح رہے کہ سکندر ذوالقرنین نام کے دنیا میں کئی بادشاہ گذرے ہیں لیکن یہاں ذوالقرنین سے کون سے بادشاہ مراد ہیں اور ان کا اصلی نام کیا تھا اس سلسلے میں علماء کرام کے مابین اختلاف ہے، سکندر ذوالقرنین نام کے پہلے بادشاہ ۲۰۰۰ سال قبل مسیح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نمرود کے بعد گذرے ہیں یہ بادشاہ موحد اور دین حق کا پیروکار تھے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور انہوں نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حج بھی کیا تھا، یہ بادشاہ حضرت سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے تھے اور قبیلہ بنی حمیر سے تعلق رکھتے تھے، ان کو یونانی زبان میں سائرس، عربی زبان میں کینخسرو، فارسی میں گورش اور عبرانی میں خورس کہتے ہیں ان کا اصل نام کیا تھا اس کے متعلق حافظ ابن کثیر نے چھ اقوال ذکر کئے ہیں (۱) عبد اللہ بن ضحاک بن معد (۲) مصعب

ابن عبد اللہ بن قتان (۳) مرزوبان بن مرزبہ (۴) صعّب بن ذمی مراند (۵) ہرمس (۶) ہردیس، یہ نہایت خدا ترس اور عادل بادشاہ تھے، قرآن کریم کی مذکورہ آیات میں ذوالقرنین سے یہی بادشاہ مراد ہیں، انہوں نے نہایت طویل عمر پائی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لیکر حضرت دانیال علیہ السلام کے زمانے تک حیات رہے اور انہوں ہی نے بخت نصر سے بنی اسرائیل کو آزاد کرا کے بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا تھا۔

سکندر ذوالقرنین نام سے دوسرا بادشاہ سکندر رومی گذرا ہے، یہ سکندر یونانی، مقدونی اور رومی کے لقب سے مشہور تھا، یہ تقریباً تین سو سال قبل مسیح گذرا ہے اس کا وزیر اور استاد ارسطو تھا جو کہ مشرک تھا اور یہ اسکندر بھی مشرک اور ظالم تھا بلکہ خود کو ایک دیوتا کا مظہر کہتا تھا یہی وہ سکندر ہے جس نے دارا کو شکست دی تھی، بعض حضرات نے قرآن کریم میں مذکور ذوالقرنین کا مصداق اس سکندر کو قرار دیا ہے لیکن یہ سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ شخص آتش پرست تھا اور قرآن حکیم نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے وہ مؤمن اور موحد تھے۔

سکندر ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں اس سلسلے میں بھی علماء کرام کے مابین اختلاف ہے حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے آپ کو نبی قرار دیا ہے اور اسحاق بن بشیر سے نقل کیا ہے کہ ان کے وزیر و مشیر حضرت خضر علیہ السلام تھے جو ان کے لشکر کے سب سے اگلے حصے کے امیر بھی تھے، لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ نبی نہیں تھے بلکہ ایک خدا ترس بزرگ تھے۔

(جمالیں ۴/۹۳ تا ۹۴..... انوار البیان ۵/۳۶۶ تا ۳۶۷)

جواب (ج)

”وغروبها فی العین“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ ”وغروبها فی العین“ سے مفسر نے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے سورج تو کرۂ ارض سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے پھر حضرت ذوالقرنین نے اس کو زمین پر موجود پانی کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے کیسے دیکھ لیا؟ مفسر اس کا جواب

دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب! سورج کو پانی کے چشمے میں غروب ہوتے ہوئے دیکھنا حقیقتاً نہیں تھا بلکہ صرف نظروں کے اعتبار سے تھا اور یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ سمندر کے کنارے ہر کھڑا ہونے والا سورج کو سمندر میں غروب ہوتے ہوئے دیکھتا ہے حالانکہ سورج سمندر میں غروب نہیں ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۵۴﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۲﴾

(قَالُوا يَا لَذَا الْقُرْنَيْنِ إِنَّ يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ) بِالْهَمْزِ وَتَرَكَهَا سُمَانَ أَعْجَمِيَّانِ لِقَيْلَتَيْنِ فَلَمْ يَنْصَرِفَا (مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ) بِالنَّهْبِ وَالْبَغْيِ عِنْدَ خُرُوجِهِمَ إِلَيْنَا (فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا) جُعْلًا مِنَ الْمَالِ وَفِي قِرَاءَةِ خَرَجًا (عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا) حَاجِزًا فَلَا يُصَلُّونَ إِلَيْنَا۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت میں مذکور واقعہ پر مختصر روشنی ڈالنے (ج) یا جوج و ماجوج کون ہیں اختصار کے ساتھ تحریر کریں (د) ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ تحریر کریں۔

جواب (ب)

ترجمۃ العبارة:

پس انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! یا جوج و ماجوج اس میں ہمزہ اور بدون ہمزہ دونوں قراتیں ہیں اور یہ دو عجیبی قبیلوں کے نام ہیں اسی وجہ سے غیر منصرف ہیں، ہماری اس سرزمین میں آکر قتل و غارتگری کرتے ہیں اور فساد مچاتے ہیں، کیا ہم آپ کے لئے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں یعنی چندے کے طور پر مال جمع کر دیں اور ایک قرأت میں ”خَرَجًا“ ہے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار یعنی ایک آڑ بنا دیں جس کی وجہ سے وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

جواب (ب)

آیت کریمہ میں مذکور واقعہ پر مختصر روشنی:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت حضرت سکندر ذوالقرنین کے سفر کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے، حضرت سکندر ذوالقرنین جب سفر کرتے ہوئے دو پہاڑوں کے ملنے کی جگہ پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات ایک قوم سے ہوئی یہ قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے بہت پریشان تھی اس نے حضرت سکندر ذوالقرنین سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور آپ سے یاجوج و ماجوج کی آمد و رفت روکنے کیلئے ایک دیوار بنانے کا کی درخواست کی اور ساتھ ہی اس لئے چندہ جمع کرنے کی پیش کش بھی رکھی، حضرت سکندر ذوالقرنین نے ان کی درخواست کو قبول کیا اور چندہ جمع کرنے منع کر دیا اور پھر آپ نے لوہے، تانبے اور دیگر دھاتوں کی ایک دیوار یاجوج و ماجوج کے راستے میں بنادی اور اس قوم کو یہ خوشخبری سنائی کہ اب یاجوج و ماجوج قتل و غارت گری کرنے کیلئے ان کے پاس نہیں آئیں گے اور جب تک اللہ رب العزت چاہیں گے یہ دیوار موجود رہے گی، اور جب اللہ رب العزت یاجوج و ماجوج کو نکالنا چاہیں گے اس وقت یہ دیوار ختم ہو جائے ہوگی۔

جواب (ج)

یاجوج و ماجوج کون ہیں؟:

یاجوج ماجوج کون ہیں؟ اس سلسلے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے وہ عام انسانوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں، علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ عام بنی آدم کی طرح ہیں اور انسانوں ہی کی طرح شکل و صورت اور اوصاف رکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے فتح الباری میں تحریر فرمایا ہے کہ یاجوج ماجوج یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں، یہی قول حضرت قتادہ سے بھی مروی ہے اور اسی کو صاحب روح المعانی نے تحریر کیا ہے۔

واضح رہے کہ آج دنیا میں موجود اقوام میں یاجوج و ماجوج کا اطلاق کس قوم پر ہوتا ہے اس کے

متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ اب مرور ایام کی وجہ سے اقوام عالم کے نام تبدیل ہو چکے ہیں آج دنیا میں کوئی قوم ان ناموں سے معروف نہیں ہے اس لئے اس کی تعیین دشوار ہے، تاہم علماء کی رائے یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج منگولیا یعنی تاتار کے ان وحشی قبائل کو کہا جاتا ہے جو یورپ، امریکہ اور روس کی اقوام کے منبع اور منشاء ہیں ان کے دو بڑے قبیلے موگ اور یوجی کہلاتے تھے جو عربی زبان میں یاجوج و ماجوج کے نام سے معروف تھے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ (جمالین ۲/۹۹)

جواب (د)

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ:

واضح رہے کہ ذوالقرنین حضرت سکندر کا نام نہیں ہے بلکہ لقب ہے، اور جیسا کہ گذشتہ سوال کے تحت گذر چکا ہے کہ اس نام اور لقب کے دنیا میں دو بادشاہ گذرے ہیں جن میں ایک مؤمن تھے جن کا ذکر قرآن کریم نے ان آیات مبارکہ میں کیا ہے اور دوسرا کافر تھا، انکا لقب ذوالقرنین کیوں ہوا اس سلسلے مختلف اقوال ہیں ذوالقرنین کے معنی دو سینگوں کے آتے ہیں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کے سر پر بالوں کی دو ٹیٹیں تھیں جس کی وجہ سے آپ کا لقب ذوالقرنین ہو گیا تھا، لیکن جلالین شریف کے محشی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا لقب ذوالقرنین ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ رب العزت نے آپ کو ظاہر و باطن کے علم سے سرفراز کیا تھا اور مزید براں اللہ رب العزت نے آپ کو سورج کے دونوں قرن یعنی مشرق و مغرب تک پہنچا دیا تھا۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۵۱)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۵﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۳﴾

(أَفْحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي) أَيْ مَلَائِكَتِي وَعِيسَى وَعُزَيْرًا

(مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ) أَرْبَابًا مَفْعُول تَان لِيَتَّخِذُوا وَالْمَفْعُول الثَّانِي لِحَسِبَ مَحذُوف

الْمَعْنَى أَظَنُّوْا أَنَّ الْإِتِّخَاذَ الْمَذْكُورَ لَا يُغْضِبُنِي وَلَا أُعَاقِبُهُمْ عَلَيْهِ كَلَّا
(إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ) هُوَ لَاءٍ وَغَيْرُهُمْ (نُزُلًا) أَي هِيَ مُعَدَّة لَهُمْ كَالْمَنْزِلِ الْمُعَدَّةِ
لِلضَّيْفِ (قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا) تَمَيِّزُ طَابِقِ الْمُتَمَيِّزِ -

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) ”اف حسب“ میں ہمزہ اور فاکس غرض کیلئے ہیں تحریر کریں اور ”حسب“ کے دونوں مفعول
اور فاعل کو متعین کریں (د) تمیز واحد ہوتی ہے مگر یہاں ”اعمالاً“ جمع کیوں لائی گئی ہے؟
وجہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

کیا کفار یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ وہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو یعنی میرے فرشتوں کو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت عزیر علیہ السلام کو کارساز یعنی رب بنا لیں گے
”اولیاء“.... ”یتخذوا“ کا مفعول ثانی ہے اور ”حسب“ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور آیت
کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ کافر اتنا ذمہ دار کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات مجھے غضبناک
نہیں کرے گی؟ اور یہ کہ میں اس بات پر ان کو سزا نہیں دوں گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہے، ہم نے تو ان
کافروں اور دوسرے کافروں کی ضیافت کے لئے (اسی طرح) جہنم تیار کر رکھی ہے، جس طرح
دنیا میں مہمانوں کے لئے مہمان خانے تیار کئے جاتے ہیں آپ ان سے معلوم کیجئے کیا ہم تم کو
ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل نقصان میں ہیں ”اعمالاً“ تمیز ہے اور تمیز
کے مطابق ہے۔

جواب (ج)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے کفار کے انجام کار کو بیان کیا ہے، کافروں کا انجام

جیسا کہ اس آیت میں اور اس سے پہلی بہت سی آیات میں بیان کیا جا چکا ہے خالص نقصان اور خسارے پر برہمنی ہے ان کیلئے حالت کفر میں کسی طرح کی بھلائی اور خیر مقدر نہیں ہے، اب اگر کفار اللہ رب العزت کو چھوڑ کر کے اس کے فرشتوں یا اس کے نبیوں کو اپنا معبود بناتے ہیں جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو معبود بنا رکھا ہے اور پھر یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا اللہ کے مذکورہ بندوں کو معبود بنا لینا آخرت میں ان کے کام آجائے گا اور اللہ ان حضرات کی سفارش سے ان کفار کو معاف کر دیں گے تو ان کا یہ گمان کرنا باطل ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کفروں کے کیلئے جہنم بطور مہمان نوازی کے اسی طرح تیار کر رکھی ہے جس طرح دنیا میں مہمانوں کیلئے مہمان خانہ تیار کیا جاتا ہے، لہذا جس طرح دنیا میں مہمان مہمان خانہ میں قیام کرتے ہیں اسی طرح کفار قیامت کے دن جہنم میں قیام کریں گے۔

جواب (ج)

”افحسب“ میں ہمزہ اور فاکس غرض کیلئے ہیں اور ”حسب“ کے.....

واضح رہے کہ ”افحسب“ میں ہمزہ استفہام برائے تویح محذوف پر داخل ہے اور فاعل عاطفہ ہے، اور تقدیری عبارت ”اکفروا فحسبوا“ ہے، اور ”ان یتخذوا“.... ”حسب“ کا مفعول بہ قائم مقام دو مفعولوں کے ہے، نیز ”حسب“ کا مفعول ثانی محذوف بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مفسر علیہ الرحمہ کا یہی خیال ہے، اور ”حسب“ کا فاعل ”الذین کفروا“ ہے۔

جواب (د)

تمیز واحد ہوتی ہے مگر یہاں ”اعمالاً“ جمع کیوں لائی گئی ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نحوی قاعدہ کے اعتبار سے تمیز واحد ہوتی ہے لیکن آیز کریمہ میں اس کو جمع ذکر کیا گیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! بات آپ کی صحیح ہے لیکن یہاں اس تمیز کو جمع یا تو بطور مشاکلت لایا گیا ہے یا انواع اعمال کا خیال کرتے ہوئے لایا گیا ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۵۳..... جمالین ۴/۱۰۴)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

سوال ۵۶ ﴿﴾

﴿ جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۴ ﴾

(وَإِذْ كُرِيَ فِي الْكِتَابِ) الْقُرْآنَ (مَرِيَمَ) أَيْ خَبَرَهَا (إِذٍ) حِينَ (انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا) أَيْ اعْتَزَلَتْ فِي مَكَانٍ نَحْوِ الشَّرْقِ مِنَ الدَّارِ (فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا) أَرْسَلَتْ سِتْرًا تَسْتَتِرُ بِهِ لِتُفْلِيَ رَأْسَهَا أَوْ ثِيَابَهَا أَوْ تَغْتَسِلَ مِنْ حَيْضِهَا (فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا) جِبْرِيلَ (فَتَمَثَّلَ لَهَا) بَعْدَ لُبْسِهَا ثِيَابَهَا (بَشَرًا سَوِيًّا) تَامَ الْخَلْقِ -

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ میں مذکور واقعہ کو اختصار کے ساتھ تحریر کریں (ج) فوائد تفسیر تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کتاب یعنی قرآن میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ کا ذکر کیجئے جب کہ وہ اپنے اہل خانہ سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو شرقی جانب تھا چلی گئیں تھیں اور اہل خانہ کی جانب سے پردہ ڈال لیا تا کہ وہ اپنے سر یا کپڑوں میں جوں دیکھ سکیں یا حیض سے پاک ہونے کے لئے غسل کر سکیں تو ہم نے ان کے پاس اپنی روح حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج دیا تو وہ ان کے سامنے کپڑے پہننے کے بعد مکمل مرد بن کر نمودار ہوئے۔

جواب (ب)

آیت کریمہ میں مذکور واقعہ:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت مریم علیہا السلام کے عجیب و غریب واقعہ کو بیان کیا ہے، حضرت مریم علیہا السلام کے اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت مریم علیہا السلام نے کسی ضرورت سے اپنے گھر کے مشرقی حصہ میں تنہائی اختیار کی کہ اچانک آپ کے پاس

اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نہایت حسین و جمیل امر و جوان کی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوئے، حضرت مریم علیہا السلام آپ کو دیکھ کر گھبرا گئی اور اللہ کی پناہ طلب کرنے لگیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو دلا سہ دیا اور فرمایا کہ میں انسان نہیں ہوں بلکہ آپ کے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کو ایک بیٹا عطاء کر دوں، حضرت مریم علیہا السلام کو یہ سنا نہایت تعجب ہوا اور فرمائے لگیں کہ جب مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا ہے تو پھر میرے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ صحیح کہ تم سے کسی انسان نے قربت اختیار نہیں کیا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ رب العزت کیلئے تم سے بیٹا پیدا کرنا آسان ہے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری جس سے آپ کو حمل رہ گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آئی۔

جواب (ج)

فوائد تفسیر:

قوله: وَ اذْ كُر فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ اس کا عطف سابقہ کلام کے مضمون پر ہے تقدیری عبارت یہ ہے ”اعلم ذکر رحمة ربك عبده زكريا واذكر في الكتاب مريم قصتها اذكر في الكتاب مريم اي قصته مريم“۔

قوله: مَرْيَمَ.....

مريم بمعنی عابدہ، زاہدہ، اور خادمۃ الرب۔

قوله: الْكِتَابِ اى الْقُرْآن.....

واضح رہے کہ مفسر نے ”الکتب“ کی تفسیر ”القرآن“ سے کی ہے اس سے جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ”الکتب“ میں الف لام عہد کا ہے اور مراد قرآن کریم ہے۔

قوله: اِذَا انْتَبَذت.....

یہ مضاف محذوف کا ظرف ہے جس کو مفسر علام نے ”خبرھا“ کہہ کر ظاہر کر دیا ہے

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

واصح رہے کہ یہ ”مریم“ سے بدل انکل یا بدل الاشتمال بھی ہو سکتا ہے۔
قولہ: مکاناً شرقیاً....

یہ موصوف صفت سے ملکر یا تو ”انتبذت“ کا ظرف ہے یا اس کا مفعول بہ ہے اس لئے کہ
”انتبذت..... آتت“ کے معنی کو مشتمل ہے ”ای آتت مکاناً انتبذت ای ابتعدت وتنحت“
بمعنی ایک طرف ہونا، بعید ہونا۔
قولہ: بعد لبسہا ثياباً....

اس جملے سے مفسر علام علیہ الرحمۃ نے ایک شبہ کا جواب دیا ہے، شبہ یہ ہے کہ حدیث
شریف میں آتا ہے کہ جس گھر میں عورت کھلے سر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ہیں
تو حضرت مریم علیہا السلام تو اس جگہ برہنہ تھیں پھر وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کیسے داخل
ہو گئے؟ مفسر نے اس جملے سے اس کا جواب دیا کہ جناب! حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت
مریم علیہا السلام کے پاس آنا حالت برہنگی میں نہیں تھا بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کے کپڑے
پہن لینے کے بعد تھا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷۵﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۵﴾

(وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ) كَانَتْ يَابِسَةً وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ (تُسْقِطُ) أَصْلُهُ بِتَائِينَ
قُلِبَتْ الثَّانِيَةَ سِينًا وَأَدغمت في السين وفي قراءة تركها (عَلَيْكِ رُطْبًا) تَمِييز (جَنِيًّا)
صِفَتَهُ (فَكُلِي) مِنْ الرُّطْبِ (وَأَشْرَبِي) مِنْ السَّرِي (وَقَرِي عَيْنًا) بِالْوَلَدِ تَمِييز مُحَوَّل
مِنْ الْفَاعِلِ أَيْ لِتَقَرَّ عَيْنِكَ بِهِ أَيْ تَسْكُنْ فَلَا تَطْمَحْ إِلَى غَيْرِهِ (فَأَمَّا) فِيهِ إِدْغَامٌ نُونٌ إِنْ
الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةُ (تَوْرِينٌ) حُذِفَتْ مِنْهُ لَامُ الْفِعْلِ وَعَيْنُهُ وَالْقَيْتُ حَرَكَتُهَا عَلَى الرَّاءِ
وَكُسِرَتْ يَاءُ الضَّمِيرِ لِالتِّقَاءِ السَّاكِنَيْنِ (مِنْ الْبَشَرِ أَحَدًا) فَيَسْأَلُكَ عَنْ وَلَدِكَ

(فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا) أَيِ إِمْسَاكًا عَنِ الْكَلَامِ فِي شَأْنِهِ وَغَيْرِهِ مِنْ
الْأَناسِيِّ بِدَلِيلِ (فَلَنْ أَكَلَّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ کے جس حصہ کو بیان کیا گیا اس کو اختصار کے ساتھ تحریر کریں (ج) مفسر نے ”صوما“ کی تفسیر ”امساکاً“ سے کر کے کس جانب اشارہ کیا ہے؟ تحریر کریں اور اس طرح کی نذر ہماری شریعت میں مشروع ہے یا نہیں؟ یہ بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

(اور اللہ رب العزت نے حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ) کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ حالانکہ وہ درخت خشک تھا ”بجدع“ میں باء زائدہ ہے، (کھجور کا یہ تنہا) تمہارے سامنے تروتازہ پکی کھجوریں گرا دے گا ”رَطْبًا“ تمیز ہے اور ”جَنِيًّا“ اس کی صفت ہے، اور ”تَسَاقَطُ“ اصل میں دو تاؤں کے ساتھ تھا دوسری تا کو سین سے بدل کر سین کا سین میں ادغام کیا گیا ہے اور ایک قرأت میں یہ تا کے ترک ساتھ بھی آیا ہے، پھر پکی اور تازہ کھجوریں کھاؤ اور چشمہ کا پانی پیو اور بیٹے سے آنکھیں ٹھنڈی کرو ”عِينًا“ تمیز ہے اور فاعل سے منقول ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم اس بچہ کو دیکھ کر آنکھوں کا سکون حاصل کرو اور دوسرے بچوں کی طرف التفات نہ کرو ”فِيمَا“ میں ”إِنْ“ شرطیہ کے نون کو ”مَا“ زائدہ میں مدغم کیا گیا ہے اور ”تَسْرِين“ میں لام کلمہ اور عین کلمہ حذف کر دیا گیا ہے اور عین کلمہ کی حرکت نقل کر کے را کو دے دی گئی اور یائے ضمیر کو التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دے دیا گیا، پس اگر تم کسی انسان کو دیکھو اور وہ تمہارے بچہ کے متعلق سوال کرے تو کہہ دینا کہ میں نے اس بچہ وغیرہ کے بارے میں لوگوں سے کلام کرنے سے رُحْمَن کے لئے سکوت کا روزہ رکھ لیا ہے اور سکوت کا روزہ رکھنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ”فَلَنْ أَكَلَّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا“ ہے یعنی میں آج کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی۔

جواب (ب)

آیت میں مذکور حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ کا حصہ:

آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے حضرت مریم علیہا السلام کے واقعہ کے اس حصے کو بیان کیا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تکلیف شروع ہوئی تو وہ گھر سے دور ایک جگہ چلی گئیں، یہاں کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا تو اللہ رب العزت نے وہاں پانی کا ایک چشمہ جاری کر دیا اور ایک فرشتے نے حضرت مریم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کھجور کے جس تنے سے ٹیک لگائے بیٹھی ہو اس کو ہلاؤ اللہ اپنی قدرت سے اس میں تازہ کھجوریں پیدا کر دے گا اور یہ کھجوریں تمہارے اوپر کریں گے تم ان کو کھا لینا اور پانی کا جو چشمہ تمہارے لئے جاری کیا گیا ہے اس سے پانی پی لینا، اور اپنے اس بیٹے سے اپنی آنکھوں کو سکون پہنچانا اور گھر واپس جاتے ہوئے اگر کوئی تم سے اس بیٹے کے متعلق معلوم کرے تو کہہ دینا کہ میں نے اللہ رب العزت کے لئے بات نہ کرنے کا روزہ رکھ لیا ہے اس لئے میں اس کے متعلق کسی سے بات نہیں کروں گی۔

جواب (ج)

مفسر نے ”صوماً“ کی تفسیر ”امساکاً“ سے کیوں کی ہے.....

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ”صوماً“ کی تفسیر ”امساکاً“ سے کی ہے، اس سے مفسر نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ یہاں صوم سے مراد ہماری شریعت کا روزہ نہیں ہے بلکہ صوم امساک یعنی بات کرنے سے رکنہ ہے اور اس طرح کا روزہ رکھنا ان کی شریعت میں جائز تھا۔

کیا صوم امساک اب بھی مشروع ہے؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری شریعت میں صوم امساک کا کیا حکم ہے کیا

یہ روزہ اب بھی مشروع ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے ہماری شریعت میں یہ روزہ مشروع نہیں ہے البتہ اگر کوئی فحش کلام نہ کرنے کی قسم کھالے تو یہ جائز ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۸﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۶﴾

(فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ) أَي النَّصَارَى فِي عَيْسَىٰ أَوْ بَنِ اللَّهِ أَوْ إِلَهٍ مَعَهُ أَوْ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ (فَوَيْلٌ) فَشِدَّةٌ عَذَابٍ (لِّلَّذِينَ كَفَرُوا) بِمَا ذُكِرَ وَغَيْرِهِ (مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونا لِكِنِّ الظَّالِمُونَ) مِنْ إِقَامَةِ الظَّاهِرِ مَقَامِ الْمُضْمَرِ (الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) أَي بَيْنَ بِهِ صُمُّوا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) نصاریٰ کے فرقوں کی وضاحت تحریر کریں (د) ”من اقامة الظاهر... الخ...“ سے مفسر نے کس شبہ کو دور کیا ہے؟ تحریر کریں، نیز خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق قلمبند کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے یعنی نصاریٰ کے ایک فریق نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ ابن اللہ ہیں اور دوسرے فریق نے کہا کہ وہ خدا کے ساتھ دوسرے خدا ہیں اور تیسرے نے کہا کہ وہ تین میں سے تیسرے ہیں پس کافروں کے لئے (مذکورہ عقائد) کی وجہ سے بڑے دن کی حاضری کا سخت عذاب ہے (اس دن) یہ کیا خوب سننے والے اور کیا خوب دیکھنے والے ہوں گے جس دن آخرت میں ہمارے سامنے حاضر ہوں گے لیکن آج دنیا میں یہ ظالم صریح گمراہی میں ہیں، ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے، اور ”مُبِين“ بمعنی ”بَیِّن“ ہے، یعنی گمراہی کی وجہ سے (دنیا میں) حق بات سننے سے بہرے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کے اختلاف کرنے کو بیان کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کے مختلف فرقے ہوئے ہیں، بعض نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ نبوت ہی پر فائز رکھا لیکن بعض نے آپ کو نبوت سے اٹھا کر الوہیت کے درجے پر بٹھا دیا، پھر ان میں بھی اختلاف ہو چنانچہ بعض کہنے لگے کہ آپ نعوذ باللہ اللہ رب العزت کے بیٹے ہیں اور بعض کہنے لگے کہ آپ اللہ کی ذات کے ساتھ ایک دوسرے خدا ہیں جبکہ بعض اس بات کے قائل ہو گئے کہ آپ قوم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم ہیں، اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں پہلے فرقے کو چھوڑ کر بقیہ تمام فرقوں کو کافر قرار دیا ہے اور ان کو قیامت کے دن عذاب کی وعید سنائی ہے۔

جواب (ج)

نصاریٰ کے فرقوں کی وضاحت:

واضح رہے کہ نصاریٰ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد آپ کے سلسلے میں اختلاف کیا اور انجیل مقدس کی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر آپ کو اللہ رب العزت کا شریک ٹھیرا دیا تین فرقوں پر مشتمل ہیں (۱) یعقوبیہ، یہ وہ فرقہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تسلیم کرتا ہے (۲) نسطوریہ، یہ وہ فرقہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت کا بیٹا قرار دیتا ہے (۳) ملکانیہ، یہ وہ فرقہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم قرار دیتا ہے، واضح رہے کہ نصاریٰ کے یہ تینوں فرقے بالکل کافر اور جہنمی ہیں۔

جواب (د)

”من اقامة الظاهر... الخ...“ سے مفسر نے کس شبہ کو دور کیا؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

اپنے قول "من اقامة الظاهر.... الخ...." سے کس شبہ کو دور کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفسر نے اس عبارت سے اس شبہ کو دور کیا ہے کہ جب یہاں ضمیر لانا کافی تھا تو اسم ظاہر کو کیوں لایا گیا ہے؟ مفسر فرماتے ہیں کہ یہاں اسم ظاہر لانے کی وجہ یہ ہے کہ کلام کا یہ طریق بھی علم بلاغت کا ایک اسلوب ہے اور اس سے اس بات کو بتانا مقصود ہے کہ نصاریٰ کے فرقوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے بایں طور کہ وہ حق بات کو سننے اور سمجھنے سے غافل رہے ہیں، حالانکہ حق سننا اور سمجھنا ان کیلئے انتہائی فائدہ مند تھا۔ (انوار الزجاجین ۲۶۵)

خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

"احزاب" یہ جمع ہے اور اس کا واحد "حزب" آتا ہے، بمعنی گروہ، جماعت، فرقہ۔
 "اسمع بهم" یہ "افعل بهم" کے وزن پر فعل تعجب ہے، اس میں جمع کی ضمیر لائی گئی ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ فعل تعجب کی ضمیر حسب موقع تبدیل ہوتی رہتی ہے۔
 "ابصر" یہ بھی مذکورہ فعل تعجب کی طرح "ابصر بهم" ہے، لیکن پہلے فعل تعجب میں ضمیر کے مذکور ہونے کی وجہ سے یہاں ضمیر محذوف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ آج دنیا میں یہ لوگ حق کو نہیں سنتے لیکن کل قیامت کے دن خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵۹﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۵۹﴾

(وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ الْأَوْثَانَ) (إِلَهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا) شَفَعَاءِ عِنْدَ اللَّهِ
 بِأَنْ لَا يُعَذَّبُوا (كَأَسِيكُمْ فُؤُونًا بِعِبَادَتِهِمْ) أَى يَنْفُونَهَا (وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ صِدًّا) أَعْوَانًا
 وَأَعْدَاءَ (أَلَمْ تَرَ أَنَا أَرْسَلْنَا الشَّيْطِينَ عَلَى الْكُفْرِينَ تَؤُذُهُمْ أَوْ لَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ)
 بِطَلَبِ الْعَذَابِ (إِنَّمَا نَعِدُّ لَهُمْ عَذَابًا) الْأَيَّامَ وَاللَّيَالِي أَوْ الْأَنْفَاسَ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) فوائد تفسیر کی تشریح تحریر کریں

(ج) "انما نعد لهم" کی نحوی ترکیب تحریر کریں اور "واتخذوا" کی ضمیر کا مرجع متعین کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور انہوں نے اللہ رب العزت کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے تاکہ یہ بت ان کے لئے باعث عزت ہو جائیں یعنی یہ بت اللہ کے پاس سفارش کریں گے کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا یہ معبودانِ باطلہ تو ان کی پوجا کے بھی منکر ہو جائیں گے اور اٹنے ان ہی کے مخالف اور دشمن بن جائیں گے، اے نبی! کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط کر رکھا ہے جو انہیں معصیت پر خوب اکساتے ہیں لہذا آپ ان پر عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کریں ہم تو خود ہی ان کے لیل و نہار یا سانس شمار کر رہے ہیں۔

جواب (ب)

فوائد تفسیر:

قوله: الاوثان....

اس جملے سے مفسر علیہ الرحمۃ نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ ”اتخذوا“ کا مفعول اول ”الاثوان“ محذوف ہے اور اس کا مفعول ثانی ”الہة“ ہے۔
قوله: شفعاء عند اللہ....

اس جملے سے مفسر علیہ الرحمۃ نے لفظ ”عززا“ کی وضاحت کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ کفار کے بتوں کو معبود بنانے کا مقصد یہ ہے کہ بت اللہ رب العزت کے یہاں سفارش کریں گے حالانکہ ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط ہے۔

قوله: اعوانا واعداء.....

اس جملے سے مفسر نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”ضداً“ یا تو ”اضداداً“ کے معنی میں ہے یا مصدر بمعنی جمع ہے۔

جواب (ج)

”انما نعد لهم“ کی نحوی ترکیب تحریر کریں اور ”واتخذوا“ کی ضمیر کا مرجع:

واضح رہے کہ آیت کریمہ ”انما نعد لهم“ کی نحوی ترکیب یہ ہے کہ ”انما“ حرف تاکید ”نعد لهم“ فعل بافاعل ”عداً“ مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر ”فلاتعجل“ کی علت ہے، اور ”واتخذوا“ کی ضمیر کا مرجع کفار مکہ ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۶۰﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۶۰﴾

(تَكَادُ) بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ (السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ) بِالْإِنْشِقَاقِ (مِنْهُ) أَيْ مِنْ أَعْظَمِ هَذَا الْقَوْلِ (وَتَنْشِقُ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَذَا) أَيْ تَنْطَبِقُ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ (أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) تفسیری فوائد کے پیش نظر آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”تنشق“ اور ”هذا“ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ ”من هذا القول“ سے کونسا قول مراد ہے۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

قریب ہے کہ اس بات کی (نخواست) کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ان کے اوپر گر جائیں ”تکاد“ یاء اور تاء دونوں کے ساتھ ہے، اس وجہ سے کہ انہوں نے رحمن کے لئے اولاد قرار دی ہے حالانکہ اولاد کا رکھنا اللہ رب العزت کے شایان شان نہیں ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے کفار کے قول بد کی تردید بیان کی ہے مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ رب العزت کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام اللہ العزت کا بیٹا بتاتے تھے، اس آیت میں اللہ رب العزت ان سب کے اقوال کی تردید بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اقوال اس قدر غلط اور ناپسندیدہ ہیں کہ ان کی وجہ سے آسمان وزمین شق ہو کر پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ٹوٹ کر ان پر گر سکتے ہیں اللہ رب العزت کے لئے اولاد ہونا تو اس کی عظمت و جلالت اور کبریائی کے خلاف ہے یہ اس کے شایان شان نہیں ہے اور کسی بھی ایسی چیز کو اس کے لئے تجویز کرنا اس کی پاکیزہ ذات کی طرف عیب منسوب کرنے کے مترادف ہے۔

جواب (ج)

”تَنشِقُ“ اور ”هَدَا“ کی لغوی تشریح اور ”مَنْ هَذَا الْقَوْلُ“ کی مراد:

واضح رہے کہ ”تَنشِقُ“ باب انفعال سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا پھٹ جانا اور ”هَدَا“ باب ضرب سے استعمال ہوتا ہے یہاں ترکیب میں یہ مفعول واقع ہے اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا گر جانا اور ”مَنْ هَذَا الْقَوْلُ“ سے مراد ”وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا“ ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۱﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۶۱﴾

(وَمَا تِلْكَ) كائنة (بِيَمِينِكَ يُمُوسَى) الإِسْتِفْهَامِ لِلتَّقْرِيرِ لِيُرْتَّبَ عَلَيْهِ الْمُعْجَزَةُ

فِيهَا (قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا) اِعْتَمِدَ (عَلَيْهَا) عِنْدَ الْوُثُوبِ وَالْمَشْيِ (وَأَهْشُ) اَخْبَطَ

وَرَقَ الشَّجَرِ (بِهَا) لِيَسْقُطَ (عَلَى غَنَمِي) فَتَأْكُلُهُ (وَلِي فِيهَا مَارِبٌ) جَمْعُ مَارِبَةٍ مَثَلَتْ
الرَّاءُ أَيْ حَوَائِجِ (أُخْرَى) كَحَمَلِ الزَّادِ وَالسَّقَاءِ وَطَرْدِ الْهَوَامِ-

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کرتے ہوئے
استفہام تقریر کا مطلب تحریر کریں (ج) ”وَمَا تِلْكَ بِمِثْنِكَ يَمْؤَسِي“ کی ترکیب
تحریر کریں (د) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں زیادہ باتیں کیوں بیان کی؟ تحریر کریں۔
Website: MadarseWale.blogspot.com (الف) جواب
Website: NewMadarsa.blogspot.com
ترجمۃ العبارة:

اور اے موسیٰ! آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے، استفہام تقریر کے لئے ہے تاکہ اس پر معجزہ کا
رتب ہو سکے، کہا یہ میری لاٹھی ہے جس پر جست لگاتے وقت اور چلنے کے وقت میں سہارا لیتا ہوں
اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے درخت سے پتے جھاڑتا ہوں تاکہ وہ ان کو کھالیں اور اس
سے میں دیگر کام بھی لیتا ہوں ”مارب“..... ”ماربۃ“ کی جمع ہے راپرتینوں اعراب جائز ہیں اور
”مارب“ بمعنی حوائج ہے مثلاً کھانا پانی لٹکا لینا اور موذی جانوروں کو دفع کرنا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کیا ہے، مدین
سے واپس آتے ہوئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آگ لینے کیلئے پہنچے اور اللہ رب
العزت نے آپ کو نبوت عطاء کرنے کیلئے شرف ہم کلامی سے نوازا تو اس وقت حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی، اللہ رب العزت چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کا معجزہ
عطاء کرنا چاہتے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مکمل طور پر متوجہ کرنے کیلئے
اللہ نے آپ سے معلوم کیا ہے کہ اے موسیٰ! تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ
میری لاٹھی ہے اور میں اس سے جست لگاتے وقت اور چلتے ہوئے سہارا لیتا ہوں نیز اس سے میں

اپنی بکریوں کیلئے درخت سے پتے جھاڑتا ہوں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے کام لیتا ہوں مثلاً چلتے ہوئے اس پر سامان لٹکاتا ہوں، موذی جانوروں کو اس سے دور کرتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ واضح رہے کہ ”مازب“..... ”ماریبہ“ کی جمع ہے اس کے لغوی معنی حوانج یعنی ضرورتوں کے آتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اس لاشی سے اپنی بہت سی ضرورتیں پوری کرتا ہوں۔
استفہام تقریر کا مطلب:

واضح رہے کہ استفہام تقریر اس استفہام کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سوال و جواب مطلوب نہیں ہوتا بلکہ کسی چیز کی جانب متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں ”وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمْوَسِي“ میں لاشی کے متعلق سوال مطلوب نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی جانب متوجہ کرنا مطلوب ہے تا کہ وہ جان لیں کہ ان کے ہاتھ میں لاشی ہی ہے سانپ وغیرہ نہیں ہے۔

جواب (ج)

”وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمْوَسِي“ کی ترکیب:

”وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَمْوَسِي“ کی ترکیب یہ ہے کہ ”واو“ متانفہ ”مَا“ مبتداء ”تِلْكَ“ ذوالحال ”بِيَمِينِكَ“ جار مجرور سے ملکر ”كائنة“ سے متعلق ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر خبر، مبتداء اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

”يَمْوَسِي“ اس کی ترکیب یہ ہے کہ اس میں حرف نداء اپنے منادئی سے ملکر جملہ ندائیہ

انشائیہ ہے۔

جواب (د)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں زیادہ باتیں کیوں بیان کی؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صرف آیت کے دائرے ہاتھ میں موجود چیز کے متعلق سوال کیا تھا جس کا جواب ”ہی عصای“ سے

پورا ہو گیا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں زیادہ باتیں بیان کی اس کی کیا وجہ ہے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں اصل پر زیادتی عشق و محبت کی وجہ سے اور اللہ رب العزت سے کلام کے وقت کو طویل کرنے کیلئے کی ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۲﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۶۱﴾

قَالَ الْقَهَائِمُ مَوْسَىٰ فَالْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ نُعْبَانٌ عَظِيمٌ (تَسْعَى) تَمْشَى عَلَى بَطْنِهَا سَرِيعًا كَسُرْعَةِ الثُّعْبَانِ الصَّغِيرِ الْمُسَمَّى بِالْجَانِّ الْمُعْبَرِ بِهِ فِيهَا فِي آيَةِ أُخْرَى (قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ) مِنْهَا (سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا) مَنْصُوبٌ بِنَزْعِ الْخَافِضِ أَيُّ إِلَى حَالَتِهَا (الْأُولَى) فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي فَمِهَا فَعَادَتْ عَصًا فَتَبَيَّنَ أَنَّ مَوْضِعَ الْإِدْخَالِ مَوْضِعَ مَسْكِهَا بَيْنَ شُعْبَتَيْهَا وَأَرَى ذَلِكَ السَّيِّدَ مَوْسَى لِيَثَلَا يَجْزَعُ إِذَا انْقَلَبَتْ حَيَّةٌ لَدَى فِرْعَوْنَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ ترجمہ کریں (ب) آیت مذکورہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) یہ واقعہ فرعون کے دربار کا ہے یا اس سے پہلے کا؟ تحریر کریں (د) حیۃ، جان، ثعبان تینوں الفاظ کا باہمی فرق تحریر کر کے ان کے مابین تطبیق کی صورت بیان کریں، اور ”فأذاهی حیة تسعی“ کی ترکیب بھی تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! اپنی اس لاشی کو زمین پر ڈال دو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا تو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی یعنی ایک ایسا بڑا اژدھا بن گئی جو اپنے پیٹ کے بل چھوٹے چھوٹے سانپوں کی مانند جنھیں دوسری آیت میں جان سے تعبیر

کیا گیا ہے دوڑتا تھا، اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم اس کو اس کی پہلی حالت ہی پر لوٹا دیں گے 'سیرتھا' حرف جار حذف کرنے کی وجہ منصوب ہے 'ای الی حالتھا الاولیٰ' چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کے منہ میں داخل کر دیا تو وہ پھر لاٹھی بن گئی اور یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہاتھ داخل کرنے کی جگہ دونوں شاخوں کے مابین پکڑنے کی جگہ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سب کچھ اس لئے دکھایا گیا تا کہ فرعون کے سامنے جب یہ لاٹھی سانپ بنے تو آپ خوف میں مبتلا نہ ہوں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے ایک عظیم معجزہ کو بیان کیا ہے، اللہ رب العزت نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو اسی کے ساتھ آپ کو لاٹھی کے سانپ بن جانے کا عظیم معجزہ بھی عطاء فرمایا تھا اور کوہ طور کی پاکیزہ وادیوں ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تجربہ بھی کرادیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے اس معجزہ کے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کے ہمراہ مدین سے مصر واپس آرہے تو راستہ میں آپ کا گذر کوہ طور کی وادی سے ہوا آپ کو موسم سرد ہونے کی وجہ سے آگ کی ضرورت تھی اور اسی کے ساتھ آپ کو مصر تک جانے والے راستہ کی تلاش بھی تھی طور کی وادی میں آپ نے دو ایک روشنی دیکھی آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ میں نے ایک روشنی دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں ممکن ہے کہ وہاں آگ مل جائے یا راستہ کا کوئی سراغ حاصل ہو جائے چنانچہ آپ اپنے اہل خانہ کو اسی جگہ چھوڑ کر خود آگ لینے کیلئے روشنی کی جگہ پہنچے لیکن وہاں جا کر آپ کو ایک دوسری ہی صورت حال کا سامنا ہوا جب آپ روشنی کی جگہ پہنچے تو آپ کو اللہ رب العزت کی جانب سے آواز آئی اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں اور تم جس جگہ موجود ہو یہ طویٰ کی مقدس وادی ہے اس لئے یہاں اپنے جوتے اتار دو، پھر اسی کے ساتھ اللہ رب العزت نے آپ کو نبوت سے سرفراز

فرمایا اور آپ کو فرعون اور اس کی قوم کو راہ راست پر لانے کیلئے فرعون کے پاس جانے کا حکم فرمایا اور فرعون کے سامنے نبوت کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے آپ کو دو معجزے ایک عصا اور دوسرا بیضاء عنایت فرمایا، اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معلوم کیا کہ اے موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے عرض کیا کہ میرے ہاتھ میں لاٹھی ہے اللہ نے حکم فرمایا کہ موسیٰ! تم اس لاٹھی کو زمین پر ڈالو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لاٹھی کو زمین ڈال دیا لیکن لاٹھی زمین پر گرتے ہی ایک چلتا ہوا سانپ بن گئی، اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ موسیٰ! اس کو بغیر ڈرے پکڑ لو ہم اس کو اس کی لاٹھی والی پہلی صورت پر لوٹا دیں گے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اس کو پکڑ لیا اور اسی کے ساتھ ہی اس نے دوبارہ لاٹھی کو صورت اختیار کر لی۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کے سانپ بن جانے کی عملی مشق کوہ طور ہی پر کیوں کرائی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ مشق کوہ طور ہی پر اس لئے کرائی گئی تھی کہ آپ کو یہ معجزہ فرعون کے سامنے پیش کرنا تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ کہیں آپ اس وقت بتقاضہ بشریت لاٹھی کے سانپ بن جانے سے خوف زدہ نہ ہو جائیں اس لئے آپ کو قبل از وقت اس معجزہ کی عملی مشق کرائی گئی تھی۔

جواب (ج)

آیت میں مذکور واقعہ فرعون کے دربار کا ہے یا اس سے پہلے کا؟:

واضح رہے کہ آیت مذکورہ میں جس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے یہ فرعون کے دربار کا نہیں ہے بلکہ یہ کوہ طور پر اس وقت کا ہے جب اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا جیسا کہ تفسیر العبارة کے تحت اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جواب (د)

حیة، جان اور ثعبان کا باہمی فرق اور ان کے مابین تطبیق:

واضح رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے سانپ بن جانے کے بعد اس کے لئے اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں تین قسم کے الفاظ استعمال کئے ہیں (۱) حیة (۲) جان (۳) ثعبان۔

حیة، سانپوں کیلئے استعمال ہونے والا عام لفظ ہے، ہر قسم کے چھوٹے، بڑے سانپوں کو عربی میں حیة کہا جاتا ہے، اور جان چھوٹے چھوٹے سانپوں کو کہا جاتا ہے جبکہ ثعبان بڑے بڑے سانپوں کو جنھیں اردو میں اثر دھے کا نام دیا جاتا ہے کہا جاتا ہے۔

لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ایک تھی اور اس سے ایک ہی سانپ بنا تھا تو پھر اس پر یہ تینوں نام کیسے صادق آتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے بننے والے سانپ پر لفظ حیة کا اطلاق تو اس لئے ہوتا ہے کہ حیة مطلق سانپ ہی کو کہتے ہیں۔ کما مرانفاً۔ رہا اس پر ثعبان اور جان کا اطلاق کرنا تو یہ اس معنی کر ہے کہ یہ سانپ اپنے جسم اور جثہ کے اعتبار سے ثعبان یعنی بڑے سانپ کی مانند تھا جبکہ چلنے میں جان یعنی چھوٹے سانپوں کی طرح تیز تھا۔ (انوار الزجاجین ۲۷۲)

واضح رہے کہ بعض علماء نے اس سانپ پر لفظ ثعبان اور جان کے اطلاق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ یہ سانپ اولاً جان یعنی چھوٹا سانپ ہوتا تھا لیکن بعد میں ثعبان یعنی بڑا سانپ بن جاتا تھا۔
”فاذاھی حیة تسعی“ کی ترکیب:

آیت کریمہ میں ”فاذاھی حیة تسعی“ کی ترکیب یہ ہے.... ”اذا“ مفا جاتیہ.... ”ھی“ ضمیر مبتداء.... ”حیة“ خبر اول... ”تسعی“ خبر ثانی، مبتداء اپنی خبر سے ملکر جملہ خبریہ ہوا، واضح رہے کہ ”تسعی“ جملہ ہو کر ”حیة“ سے حال اور صفت بھی واقع ہو سکتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۳﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۶۶﴾

(قَالَ) هَارُونَ (يَبْنُوْمٌ) بِكَسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا أَرَادَ أُمِّي وَذِكْرَهَا أَعْطَفَ لِقَلْبِهِ
 (لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي) وَكَانَ أَخَذَهَا بِشِمَالِهِ (وَلَا بِرَأْسِي) وَكَانَ أَخَذَ شَعْرَهُ بِيَمِينِهِ غَضَبًا
 (إِنِّي خَشِيْتُ) لَوْ اتَّبَعْتُكَ وَلَا بُدَّ أَنْ يَتَّبِعَنِي جَمْعٌ مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدِ الْعِجْلَ
 (أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ) وَتَغْضَبَ عَلَيَّ (وَلَمْ تَرْقُبْ) تَنْتَظِرْ (قَوْلِي)
 فِيمَا رَأَيْتَهُ فِي ذَلِكَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) تفسیری فوائد کے پیش نظر آیت کریمہ کی
 تفسیر تحریر کریں (ج) حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ”یا اخی“ کے
 بجائے ”یَبْنُوْمٌ“ کیوں کہا تھا؟ وجہ تحریر کریں نیز حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام
 کے حقیقی بھائی تھے یا ماں شریک تھے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے میرے ماں
 جائے بھائی میری ڈاڑھی نہ پکڑ ”یَبْنُوْمٌ“ میم پر کسرہ اور فتح کے ساتھ ہے اور ”اُم“ سے
 مراد ”اُمّی“ ہے اور اس لفظ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل زیادہ مہربان کرنے کے لئے
 ذکر کیا گیا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام
 کی داڑھی پکڑ لی تھی، اور نہ سر کے بال پکڑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں اپنے
 داہنے ہاتھ سے ان کے سر کے بال پکڑ لئے تھے، مجھے تو یہ اندیشہ ہو گیا تھا کہ اگر میں آپ کے
 پیچھے چلا آتا تو ضروری بات تھی کہ ایک جماعت جس نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی میرے ساتھ
 آتی پس آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ تو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور تو نے اس

معاملہ میں میری بات کا لحاظ نہیں رکھا اور آپؐ مجھ پر غصہ ہوتے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک ناراضگی کا ذکر کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ ناراضگی حضرت ہارون علیہ السلام پر تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی ہلاکت کے بعد کوہ طور پر تشریف لے گئے تو آپ کے پیچھے بنی اسرائیل نے سامری کے کہنے سے گوسالہ پرستی شروع کر دی، حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کو کافی سمجھایا اور گوسالہ پرستی سے باز رکھنے کوشش کی لیکن قوم نہیں مانی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس تشریف لائے اور اپنے قوم کا حال دیکھا تو نہایت ناراض ہوئے اور غصہ میں ایک ہاتھ سے حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور ایک ہاتھ سے سر کے بال پکڑ لئے اور فرمانے لگے کہ جب قوم بت پرستی میں مبتلا تھی تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئے، حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے ماں جائے بھائی میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑو بات یہ تھی کہ اگر میں آپؐ پاس چلا آتا تو قوم کی ایک جماعت جو اس گناہ میں مبتلا نہیں تھی میرے ساتھ آپؐ کے پاس آتی اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ آپؐ میرے اوپر ناراض ہوتے اور یہ کہہ سکتے تھے کہ تو نے بنی اسرائیل کے مابین تفریق پیدا کر دی ہے، پس اسی اندیشہ سے میں آپؐ کے پاس نہیں آیا۔

جواب (ج)

حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کو ”یا اخی“ کے بجائے ”یَبْنُوْمُ“ کیوں کہا تھا؟:

واضح رہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ”یا اخی“ کے بجائے ”یَبْنُوْمُ“ کہہ کر مخاطب کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت نہایت غصہ کی حالت میں تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آپؑ کو اس جملے سے مخاطب کر کے آپؑ کے دل میں نرمی پیدا کرنے اور غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی اور حق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کا غصہ حضرت ہارون علیہ السلام کے تئیں ٹھنڈا ہوگا تھا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف ماں شریک بھائی تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! ایسا نہیں ہے یہ دونوں حضرات آپس میں حقیقی بھائی تھے ”یَبْنُوْمُ“ کا ذکر صرف زیادتی الفت کے لئے تھا۔

﴿ تم الجواب بعون الملک الوہاب ﴾

﴿ سوال ۶۴ ﴾

﴿ جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۶۶ ﴾

(قَالَ) لَهُ مُوسَى (فَاذْهَبْ) مِنْ بَيْنِنَا (فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ) أَي مُدَّة حَيَاتِكَ (أَنْ تَقُولَ) لِمَنْ رَأَيْتَهُ (لَا مِسَاسَ) أَي لَا تَقْرَبْنِي فَكَانَ يَهِيمُ فِي الْبَرِيَّةِ وَإِذَا مَسَّ أَحَدًا أَوْ مَسَّهُ أَحَدٌ حُمًّا جَمِيعًا (وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا) لِعَذَابِكَ (لَنْ تُخْلَفَهُ) بِكُسْرِ اللَّامِ أَي لَنْ تَغِيبَ عَنْهُ وَبِفَتْحِهَا أَي بَلْ تُبْعَثَ إِلَيْهِ (وَإِنظُرْ إِلَى الْهَيْكِ الَّذِي ظَلَمْتَ) أَصْلَهُ ظَلَمْتَ بِلَامَيْنِ أَوْ لَاهِمًا مَكْسُورَةً حُذِفَتْ تَخْفِيفًا أَي دُمْتُ (عَلَيْهِ عَاكِفًا) أَي مُقِيمًا تَعْبُدُهُ (لِنُحْرَقْنَاهُ) بِالنَّارِ (ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا) نُذْرِيْنَهُ فِي هَوَاءِ الْبَحْرِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات کب اور کس سے ارشاد فرمائی تھی اور اس کا کیا حال ہوا تھا تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تو ہمارے درمیان سے چلا جا دنیوی زندگی میں تیری یہ سزا ہے کہ تو زندگی بھر ہر اس شخص سے جس کو تو دیکھے گا کہے گا کہ مجھے نہ چھو تا یعنی میرے قریب نہ آنا چنانچہ وہ جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا اور جب وہ کسی کو چھو لیتا یا کوئی اسے چھو لیتا تھا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے اور ایک وعدہ تیرے لئے عذاب کا ہے تو (آخرت میں عذاب

سے) ہرگز نہیں بچے گا "تخلفہ" کو اگر بکسر اللام پڑھا جائے تو اس کے معنی ہیں تو عذاب سے نہیں بچ سکے گا، اور ب اگر اس کو بفتح اللام پڑھا جائے تو پھر معنی ہوں گے تجھ کو اس عذاب تک ضرور پہنچایا جائے گا، اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ کہ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا "ظَلَّتْ" اصل میں "ظَلِلْتُ" دو لاموں کے ساتھ تھا، پہلا لام مکسور تھا جس کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے اور یہ "ذُمَّتْ" کے معنی میں ہے ہم اس کو آگ میں جلا دیں گے اور پھر ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا کی فضا میں اڑا دیں گے۔

جواب (ب)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات کب اور کس سے ارشاد فرمائی تھی:

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں جس بات کا ذکر کیا ہے یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہی تھی، اس بات کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا اور وہ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے کے بعد ان سب کو سزا دی، اسی وقت آپ نے سامری سے اس کی اس حرکت کے متعلق معلوم کیا اور پھر بطور سزا اس سے ارشاد فرمایا کہ تو ہمارے درمیان سے چلا جا تیری سزا دنیا میں یہ ہے کہ تو جسے بھی دیکھے گا اسی کو "لا مساس" کہہ کر اپنے دور رہنے کی تلقین کرے گا اور آخرت میں تیری سزا اللہ رب العزت کا عذاب ہے، اور رہا تیرا بنا ہوا بچھڑا جس کی تو عبادت کرتا تھا تو ہم اس کو جلا کر سمندر کی ہوا میں اڑا دیں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور اس گوسالہ کو ذبح کر کے جلا کر ہوا میں اڑا دیا۔

واضح رہے کہ سامری جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے درمیان سے نکالا تھا بعد میں جنگلوں میں رہتا تھا اور جب کوئی اس کو یا یہ کسی کو چھو لیتا تو دونوں بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے اس لئے یہ انسانوں کو دیکھتے ہی "لا مساس" کا اعلان کرنا شروع کر دیتا تھا اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲۵﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۶۷﴾

(وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي) الْقُرْآنَ فَلَمْ يُؤْمِن بِهِ (فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا) بِالتَّنْوِينِ
مَصْدَرٍ بِمَعْنَى ضَيْقَةٍ وَفُسِّرَتْ فِي حَدِيثِ بَعْدَابِ الْكَافِرِ فِي قَبْرِهِ (وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ أَعْمَى) أَعْمَى الْبَصَرَ وَالْقَلْبَ (قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ
بَصِيرًا) فِي الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبُعْثِ (قَالَ) الْأَمْرُ (كَذَلِكَ أَتَتْكَ أَيْتُنَا فَنَسِيَتْهَا)
تَرَكْتَهَا وَلَمْ تُؤْمِن بِهَا (وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى) تُتْرَكُ فِي النَّارِ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں
(ج) مفسر نے ”مصدر بمعنی ضیقہ“ سے کس شبہ کو دور کیا ہے؟ (د) اور ”ننسی“ میں نسیان
سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور جو شخص میری نصیحت یعنی قرآن سے اعراض کرے گا بایں طور کہ اس پر ایمان نہیں
لائے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی ”ضَنْكًا“ تنوین کے ساتھ مصدر ہے اور
”ضَيْقَةٌ“ کے معنی میں ہے اس کی تفسیر حدیث شریف میں کافر کے عذاب قبر سے کی گئی
ہے، اور قیامت کے دن ہم اس قرآن سے اعراض کرنے والے کو اندھا کر کے اٹھائیں
گے یہاں اندھا ہونے سے آنکھ یا دل کا اندھا ہونا مراد ہے، پس وہ کہے گا
کہ اے میرے رب! آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دنیا میں بھی اور بعثت
کے وقت بھی آنکھوں والا تھا، ارشاد ہوگا معاملہ ایسا ہی ہونا تھا ہماری آیات تیرے پاس پہنچی
تھیں مگر تو نے ان کو بھلا دیا اور ترک کر دیا تھا اور ان پر ایمان نہیں لایا تھا پس اسی طرح آج
تجھ کو بھلا دیا جائے گا، یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

ان آیات کریمہ میں اللہ رب العزت نے قرآن کریم سے اعراض کرنے والوں کی اخروی حالت کو بیان کیا ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں جو شخص میری نصیحت یعنی قرآن کریم سے اعراض کرے گا دنیا میں اس کی زندگی تنگ رہے گی اور آخرت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا، اور وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تو دنیا میں اور بعث کے وقت بینا تھا تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے، اللہ ارشاد فرمائیں گے کہ تیرے پاس ہماری آیات آئیں تھی مگر تو ان پر ایمان نہیں لایا تھا اور تو نے ان سے اعراض کیا تھا پس جس طرح تو نے ہماری آیات کو بھلایا تھا آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ آیات مذکورہ میں اعراض عن القرآن کی صورت میں معیشت کے تنگ ہونے کی وعید بیان کی گئی ہے، یہاں تنگ معیشت سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسر ابن کثیر نے مسند بزار سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے عذاب قبر مراد ہے، یعنی جو قرآن کریم سے اعراض کرے گا اس کی زندگی قبر میں تنگ رہے گی اور اس کو عذاب دیا جائے گا۔

جواب (ج)

مفسر نے ”مصدر بمعنی ضيقة“ سے کس شبہ کو دور کیا ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر نے ”مصدر بمعنی ضيقة“ سے اس شبہ کو دور کیا ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”ضنکا“..... ”معيشة“ کی صفت بن رہا ہے اور موصوف و صفت کے مابین تذکیر و تانیث میں مماثلت ضروری ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں ہے، مفسر اس شبہ کو دور کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب! بات آپ کی صحیح ہے لیکن یہاں ”ضنکا“ مصدر ہے اور یہ ”ضيقة“ کے معنی میں ہے اور صفت جب مصدر ہو تو اس کیلئے مذکر و مؤنث ہونا ضروری نہیں ہے۔

جواب (د)

”تنسی“ میں نسیان سے کیا مراد ہے؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے اندر ”تنسی“ میں نسیان سے کیا مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نسیان سے مراد قرآن کریم سے اعراض کرنے والوں کو جہنم میں چھوڑ دینا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۶﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۷۲﴾

(أَوْلَمُ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا) سَدًّا بِمَعْنَى مَسْدُودَةً (فَفَتَقْنَهُمَا) جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَبْعًا وَالْأَرْضَ سَبْعًا أَوْ فَتَقَ السَّمَاءَ أَنْ كَانَتْ لَا تُمَطِّرُ فَأَمْطَرَتْ وَفَتَقَ الْأَرْضَ أَنْ كَانَتْ لَا تُنْبِتُ فَانْبَتَتْ (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ لِنَاظِلٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالنَّابِعِ مِنَ الْأَرْضِ (كُلُّ شَيْءٍ حَيٍّ) مِنْ نَبَاتٍ وَغَيْرِهِ أَيْ فَالْمَاءُ سَبَبٌ لِحَيَاتِهِ (أَفَلَا يُؤْمِنُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسر نے ”فتق“ کی دو تفسیریں بیان کی ہیں آپ ”وجعلنا من الماء“ کی روشنی میں تحریر کریں کہ کونسی تفسیر راجح ہے۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

کیا کافر یہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین (منہ) بند تھے ”رتقا“ بمعنی ”سدًا“ ہے اور ”سدًا“ بمعنی ”مسدودًا“ ہے پھر ہم نے ان کو کھول دیا یعنی سات آسمان اور سات زمین بنا دیں یا فتق سماء کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہیں ہوتی تھی پھر بارش ہونے لگی،

اور قسق ارض کا مطلب یہ ہے کہ زمین اگاتی نہیں تھی پھر اگانے لگی اور ہم نے آسمان سے برسنے والے اور زمینی چشموں سے نکلنے والے پانی سے ہر جاندار (اور غیر جاندار) گھاس وغیرہ کو بنایا لہذا پانی ہر جاندار کے لئے سبب حیات ہے پھر بھی یہ لوگ میری توحید پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت خالقیت کو بیان کیا ہے اور مخلوق میں جو بڑی بڑی چیزیں ہیں ان کو بطور نشانی کے پیش فرما کر اہل کفر کو ایمان کی دعوت دی ہے، چنانچہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آسمان وزمین سب بند تھے، نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے کچھ پیدا ہوتا تھا، پھر ہم نے اپنی قدرت سے انہیں کھول دیا، بایں طور کے سات آسمان اور سات زمین بنادیں، آسمان سے بارشیں خوب ہونے لگیں اور زمین سے نباتات بھی نکلنے لگی، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہم نے پانی سے ہر قسم کے جاندار اور غیر جاندار کو پیدا کیا اور پانی کو اس کی زندگی کا سبب بنایا لیکن اس سب کے باوجود یہ کافر لوگ میرے اوپر ایمان نہیں لاتے ہیں۔ (انوار البیان ۶/۱۲۵)

جواب (ج)

آیت کریمہ کی راجح تفسیر:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی دو تفسیریں بیان کی ہیں پہلی تفسیر کے اعتبار سے فقط السماء والارض کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آسمان وزمین دونوں باہم ملے ہوئے تھے اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے ان دونوں کو الگ کر کے سات سات عدد بنادیا، اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ آسمان پہلے بارش نہیں برساتا تھا اور زمین کوئی چیز نہیں اگاتی تھی اللہ رب العزت نے آسمان سے بارش اتاری اور زمین سے سبزہ اگا دیا۔

واضح رہے کہ آیت کریمہ کے جملے ”وجعلنا من الماء“ سے مفسر کی بیان کردہ دوسری تفسیر کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۷﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۷۵﴾

(و) اذْکُرْ (دَاوُدَ وَ سُلَیْمَانَ) اٰیَ قِصَّتِهِمَا وَ یُدَلِّ مِنْهُمَا (اِذْ یَحْکُمُنِ فِی الْحَرْثِ) هُوَ زَرْعٌ اَوْ کَرْمٌ (اِذْ نَفَسَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ) اٰیَ رَعْتَهُ لَیْلًا بِرَاعٍ بِاَنَّ اَنْفَلَتَتْ (وَ کُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ) فِیْهِ اسْتِعْمَالَ ضَمِیْرِ الْجَمْعِ لِاِثْنِیْنِ قَالَ دَاوُدَ لِصَاحِبِ الْحَرْثِ رِقَابَ الْغَنَمِ وَقَالَ سُلَیْمَانُ یَنْتَفِعُ بِدَرَّهَا وَ نَسْلَهَا وَ صُوفَهَا اِلٰی اَنْ یُعَوِّدَ الْحَرْثَ کَمَا کَانَ بِاِصْلَاحِ صَاحِبِهَا فِیْرِدَهَا اِلَیْهِ (فَفَهَّمْنَاهَا سُلَیْمَانَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق کریں (د) مذکورہ دونوں فیصلوں میں تعارض ہے آپ اس تعارض کو دور کریں (ه) ان حضرات کا یہ فیصلہ اجتہادی تھا یا وحی الہی سے تھا؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور آپ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے قصہ کو بیان کیجئے اور ”اذیحکمُن“.... ”واذکر داؤد“ سے بدل واقع ہو رہا ہے، جبکہ وہ کھیتی یا انگور کے باغ کے متعلق فیصلہ کر رہے تھے اس لئے ایک شخص کی بکریاں کھیتی میں گھس گئی تھیں اور رات میں چرواہے کے بغیر اس میں پھیل کر اس کو چر گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے، اس میں دو کیلئے جمع کی ضمیر کو استعمال کیا گیا ہے، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے کھیتی والے کیلئے نقصان کے عوض میں بکریوں کا فیصلہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کھیتی کا مالک بکریوں کے

دودھ اور ان کی نسل اور ان کے اون سے فائدہ اٹھائے یہاں تک کھیتی بکریوں والے کی اصلاح سے اپنی سابقہ حالت پر آجائے تو پھر کھیتی کا مالک بکریوں کو ان کے مالک کو واپس کر دے، پس ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھ عطاء فرمائی۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

مذکورہ آیت میں اللہ رب العزت نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی جانب سے صادر ہونے والے ایک فیصلے کو بیان کیا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے اور دونوں ہی اپنے وقت کے جلیل القدر پیغمبر تھے اللہ رب العزت نے دونوں کو علم و حکمت، حکومت اور مقدمات میں فیصلہ کرنے کی عظیم قوت عطاء کی تھی، ایک مرتبہ جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام منصب نبوت پر فائز نہیں ہوئے تھے ایک مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں آیا مقدمہ یہ تھا کہ رات میں کسی شخص کی بکریاں کسی کے کھیت کا چر گئی تھیں اور کھیت والا تاوان کا مطالبہ کر رہا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدمہ کا یہ فیصلہ فرمایا کہ جن بکریوں نے کھیت کو چرا ہے وہ کھیت والے کو دیدی جائیں، لوگ جب یہ فیصلہ سکر باہر آئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ معلوم کیا اور علم ہونے پر ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس مقدمہ کا فیصلہ کرتا تو وہ دونوں کے حق میں ہوتا حضرت داؤد علیہ السلام کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس قول کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے معلوم کیا کہ کیا فیصلہ کرتے حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں یہ فیصلہ کرتا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدی جائیں اور وہ ان کے دودھ اور ان سے فائدہ اٹھائے اور کھیت بکریوں والے کو دیدیا جائے اور وہ اس میں کاشت کاری کرے اور جب کھیت اپنی سابقہ حالت پر آجائے تو کھیت اس کے مالک کو اور بکریاں ان کے مالک کو واپس کر دی جائیں حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور پھر آپ نے اسی فیصلہ کو نافذ فرمادیا۔

جواب (ج)

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق:

ذرع: یہ ”ذرع“ کی جمع ہے، بمعنی کھیتی، بوئی ہوئی چیز۔

کرم: یہ ”کروم“ کی جمع ہے، بمعنی انگور کی تیل، انگور۔

نفشت: یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور باب ضرب، نصر اور سمع سے استعمال ہوتا

ہے، بمعنی چرواہے کے بغیر بکریوں کا رات میں کھیتی کو خراب کر دینا۔

انفلتت: یہ باب انفعال سے استعمال ہوتا ہے، بمعنی پھیل جانا، پورے کا شامل ہو جانا۔

رقاب: یہ ”رقبة“ کا واحد ہے بمعنی گردن، یہاں اس سے مراد مالک ہونا ہے۔

در: بمعنی دودھ۔

صوف: یہ ”اصواف“ کا واحد ہے، بمعنی وہ بال جو بھیڑ اور بکریوں کے جسم پر ہوتے ہیں۔

جواب (د)

مذکورہ دونوں فیصلوں میں دفع تعارض:

واضح رہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ دونوں فیصلوں

کے مابین بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ ان دونوں کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے

اس لئے کہ ان دونوں حضرات کا فیصلہ اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے باہم طور کہ

حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قاعدہ کے مطابق ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ فریقین

کے مابین صلح ہے اور صلح کا اختیار کرنا چونکہ بہتر ہوتا ہے اسی لئے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی

اختیار فرمایا اور اپنے فیصلہ کے بجائے اسی کو نافذ کر دیا۔ (انوار الزجاجین ۲۸۸)

جواب (ه)

کیا مذکورہ فیصلہ اجتہادی تھا؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام

کا مذکور فیصلہ اجتہادی تھا یا وحی الہی سے تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ فیصلہ اجتہادی تھا وحی الہی سے نہیں تھا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۶۸﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۷۶﴾

(و) اذ کر (اسْمَعِيلَ وَاذْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلُّ مِّنَ الصَّابِرِينَ وَاَدْخَلْنَهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ) لَهَا (وَذَا النُّونِ) صَاحِبِ الْحُوتِ وَهُوَ يُونسُ ابْنُ مَتَّى وَيُبَدَّلُ مِنْهُ (إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا) لِقَوْمِهِ أَيْ غَضَبَانَ عَلَيْهِمْ مِمَّا قَاسَى مِنْهُمْ لَمْ يُؤْذَنَ لَهُ فِي ذَلِكَ (فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ) أَيْ نَقْضِي عَلَيْهِ بِمَا قَضَيْنَاهُ مِنْ حَبْسِهِ يَطْنُ الْحُوتِ أَوْ نُضِيقُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ذوالکفل لان تھے اور ان کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ تحریر کریں (د) مفسر نے ”مغاضباً“ کی تفسیر ”غضبان“ سے کیوں کی ہے؟ تحریر کریں، نیز ”ان لن نقدر“ کی تفسیر کی وضاحت تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ کیجئے، یہ سب صابریں میں سے تھے اور ہم نے ان سب حضرات کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا اور ان میں اس (نبوت) کی صلاحیت تھی، اور ذوالنون یعنی مچھلی والے کا تذکرہ کیجئے اور مراد حضرت یونس بن متی ہیں اور ”اذ ذهب مغاضباً“..... ”ذوالنون“ سے بدل ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو کہ جب مچھلی والا اپنی قوم سے ان کی طرف سے تکلیف اٹھانے کی وجہ سے ناراض ہو کر چل دیا تھا حالانکہ اس کو جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور اس نے یہ سمجھا تھا کہ ہم بغیر اجازت چلے جانے پر کچھ

داروگیر نہ کریں گے یعنی مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا جو فیصلہ ہم نے کر لیا ہے وہ نہ کریں گے، یا اس کی وجہ سے ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے چند انبیاء سابقین کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان سب کو صالحین میں سے شمار کیا ہے، ان انبیاء سابقین میں سے پہلے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجد امجد ہیں، دوسرے حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، آپ حضرت نوح علیہ السلام کے اجد امجد ہیں، آپ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان تقریباً ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، آپ حضرت آدمؑ کی وفات کے دو سو سال بعد مبعوث ہوئے اور چار سو سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے، تیسرے حضرت ذوالکفل علیہ السلام ہیں، آپ نبی تھے یا نہیں اس سلسلے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ جزیہ کے تحت آرہی ہے، چوتھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں، آپ کو صاحب الحوت بھی کہا جاتا ہے، اللہ رب العزت نے آپ کو نینوانا می بستی کی جانب مبعوث کیا تھا، آپ نے اپنی قوم کو اللہ رب العزت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور جب قوم ایمان نہیں لائی تو آپ نے بغیر اذن ربی کے عذاب کی پیشین گوئی کر دی لیکن جب عین وقت پر عذاب کے آثار نمودار نہیں ہوئے تو آپ اپنی بستی باہر چلے گئے اور پھر آپ کے ساتھ مچھلی کے نکلنے کا مشہور واقعہ پیش آیا، ادھر آپ مچھلی کے پیٹ میں تھے ادھر اللہ رب العزت نے اپنے نبی کے قول کو سچا کرنے کیلئے آپ کی قوم پر عذاب بھیجا، قوم نے جب عذاب دیکھا تو انتہائی لجاجت کے ساتھ اللہ رب العزت سے پناہ کی طلب گار ہو گئی جس کے نتیجے میں اللہ رب العزت نے عذاب کو اٹھالیا، واضح رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم واحد قوم ہے جس پر عذاب آنے کے بعد دور کیا گیا ہے، ان کے علاوہ جس قوم پر بھی اللہ کا عذاب آیا ہے تو وہ قوم اقوام عالم کیلئے نمونہ عبرت بن گئی ہے۔

جواب (ج)

ذوالکفل کون تھے اور ان کے نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟:

حضرت ذوالکفل کون تھے اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض نے آپ کو اللہ رب العزت کا ایک صالح بندہ قرار دیا ہے جبکہ بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آپؑ نبی تھے، جمہور علماء آپ کے نبی ہونے ہی کے قائل ہیں اور یہاں آیت کریمہ میں انبیاء سابقین کے ساتھ آپ کا تذکرہ ہونا بھی اس بات پر دالت کرتا ہے کہ آپؑ نبی تھے، اگرچہ بعض روایات میں آپؑ کا نبی نہ ہونا بھی مذکور ہے، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؑ کا نام ذوالکفل ہونے وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؑ کا نام ذوالکفل اس لئے رکھا گیا تھا کہ آپؑ انتہائی ذمہ دار، عہد کو پورا کرنے والے، سارے دن روزہ اور ساری رات عبادت کرنے والے تھے۔

جواب (د)

مفسر نے ”مغاضباً“ کی تفسیر ”غضبان“ سے کیوں کی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے یہاں لفظ ”مغاضباً“ کی تفسیر ”غضبان“ سے کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسر نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ لفظ ”مغاضباً“ اگرچہ اسم فاعل باب مفاعلت برائے مشارکت سے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں یہ مشارکت کے معنی کے لئے نہیں ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۶۷۶)

”ان لن نقدر“ کی تفسیر کی وضاحت:

واضح رہے لفظ ”ان لن نقدر“ کی جو تفسیر مفسر نے کی ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ ”ان لن نقدر علیہ“..... ”قدر“ سے مشتق ہے ”قدرة“ سے مشتق نہیں ہے، اور ”قدر“ کے معنی فیصلہ کرنے یا تنگی کرنے کے آتے ہیں لہذا اس جملے کے معنی ”ان نقضی علیہ“ کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم جو فیصلہ کر لیا ہے اس کو نافذ نہیں کریں گے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

سوال ۶۹

جلالین شریف ثانی صفحہ ۷۷

(وَحَرَّمَ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَهَا) أُرِيدَ أَهْلَهَا (أَنَّهُمْ لَا) زَائِدَةٌ (يَرْجِعُونَ)

أَيُّ مُمْتَنِعٍ رُجُوعُهُمْ إِلَى الدُّنْيَا (حَتَّى) غَايَةٌ لِامْتِنَاعِ رُجُوعِهِمْ (إِذَا فَتِحَتْ) بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ (يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) یا جوج

و ما جوج کون ہیں؟ تحریر کریں (د) فتح یا جوج و ما جوج کو امتناع رجوع کی غایت قرار دیا گیا ہے تو کیا ان کے کھلنے کے بعد ہلاک شدہ اقوام کی دنیا میں واپسی ممکن ہو جائے گی؟ جواب تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور اس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے لوٹ آنا حرام ہے مراد بستی والے ہیں کہ ہلاک ہونے کے بعد ان کیلئے دنیا میں لوٹ آنا ممتنع ہے، اور ”لا يرجعون“ میں ”لا“ زائدہ ہے، یہاں تک کہ جب یا جوج و ما جوج کھول دئے جائیں گے ”حتی“ یہ امتناع رجوع کی غایت ہے، اور ”فتحت“ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے قرب قیامت، وقوع قیامت اور قیامت کے دن اہل کفر کی ندامت اور بد حالی کا تذکرہ ہے، خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ اہل کفر برابر سرکشی میں اور کفر میں پڑے رہیں گے اور انکار حق پر اڑے رہیں گے، یہاں تک کہ یا جوج و ما جوج نکل آئیں جو ہر اونچی جگہ سے نکل کر پھیل پڑیں گے اور قیامت کا جو سچا وعدہ ہے وہ قریب ہو جائے گا، قیامت کے قریب آجانے پر بھی ان لوگوں کو ہوش نہیں آئے گا اور حق قبول کو نہیں کریں گے حتیٰ کہ قیامت کا

وقوع محقق ہو جائے گا اور جب قیامت کا وقوع ہوگا تو اس وقت حیرانی اور پریشانی کی وجہ سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور یہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہیں گے ”يُوَيَّلْنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا“ ہائے ہماری کبختی ہم تو اس کی طرف سے غافل تھے۔

جواب (ج)

کیا فتح یا جوج و ما جوج کے بعد ہلاک شدہ اقوام کی دنیا میں آمد ممکن ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں فتح یا جوج و ما جوج کو ہلاک شدہ اقوام کے امتناع رجوع کی غایت قرار دیا گیا ہے تو کیا فتح یا جوج و ما جوج کے بعد ان ہلاک شدہ اقوام کا دنیا میں آنا ممکن ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی ہلاک شدہ قوم کا دنیا میں آنا ممکن نہیں ہے، اور رہا آیت کریمہ میں فتح یا جوج و ما جوج کا ان کے امتناع رجوع کی غایت ہونا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک ان کا رجوع ممکن نہیں ہے۔ (جمالین ۴/۲۸۴)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۰۷﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۷۸﴾

(وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ) بِمَعْنَى الْكِتَابِ أَيْ كُتِبَ اللَّهُ الْمُنَزَّلَةَ (مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ) بِمَعْنَى أُمَّ الْكِتَابِ الَّذِي عِنْدَ اللَّهِ (أَنَّ الْأَرْضَ) أَرْضَ الْجَنَّةِ (يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ) عَامٍ فِي كُلِّ صَالِحٍ (إِنَّ فِي هَذَا بَلَاغًا) كِفَايَةً فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ (لِقَوْمٍ عَابِدِينَ) عَامِلِينَ بِهِ (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ) الْإِنْسِ وَالْجِنِّ بَكْ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) ”الزبور“ سے کوئی کتاب مراد ہے اور ”الأرض“ کی تفسیر ”ارض الجنة“ سے کیوں کی گئی ہے؟ کیا ”ارض الدنيا“ مراد نہیں ہو سکتی ہے؟ اس صورت میں کیا مطلب ہوگا؟

تحریر کریں (د) ”عالمین“ کی تفسیر ”الانس والجن“ سے کیوں کی گئی ہے؟
وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور ہم لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد زبور یعنی (مطلق) آسمانی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ جنت کی زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے اور یہ خوشخبری ہر نیک بندے کے بارے میں ہے بلاشبہ قرآن کریم میں جنت میں داخل ہونے کے لئے اس پر عمل کرنے والوں کے لئے کافی نصیحت موجود ہے، اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں یعنی انسان و جنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت جنت کی سر زمین کے وارثین کو بیان کیا ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے اولاً لوح محفوظ میں لکھنے کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں یہ بات رقم کر دی ہے کہ جنت کے وارث صرف اور صرف نیک بندے ہوں گے، اور جو لوگ جنت میں جانے کی خواہشمند ہیں تو ان کیلئے قرآن کریم کی آیات میں کافی نصیحت موجود ہے۔

جواب (ج)

”الزبور“ سے کونسی کتاب مراد ہے؟:

آیت مذکورہ میں ”الزبور“ سے کونسی کتاب مراد ہے؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد کے بقول یہاں ”الزبور“ سے آسمانی کتابیں اور ”الذکر“ سے لوح محفوظ مراد ہے۔

واضح رہے کہ اس سلسلے میں اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں لیکن چونکہ صاحب جلالین نے

اس سے مطلق آسمانی کتابوں ہی کو مراد لیا ہے اس لئے ہم نے بھی دیگر اقوال سے صرف نظر کر دیا ہے۔

”الأرض“ کی تفسیر ”ارض الجنة“ سے کیوں کی گئی ہے؟:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ میں مذکور ”الأرض“ کی تفسیر ”ارض الجنة“ سے کی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب! تمام جمہور مفسرین، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اکابر تابعین نے یہاں ”الأرض“ سے ”ارض الجنة“ ہی کو مراد لیا ہے اور انہیں کی اتباع مفسر علام علیہ الرحمۃ نے کی ہے۔

اب رہا یہ سوال یہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہاں ”الأرض“ سے ”ارض الجنة“ ہی مراد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی کیا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت ”الحمد لله الذي صدقنا وعده واورثنا الارض ننبؤاً من الجنة حيث نشاء“ میں ارض کا اطلاق ارض جنت ہی پر کیا گیا ہے۔ (کمالین ۴/۱۸۴) کیا آیت کریمہ میں ”ارض... سے... ارض الدنيا“ مراد لے سکتے ہیں؟:

واضح رہے کہ بعض حضرات نے آیت کریمہ میں مذکور ”الأرض“ سے ”ارض الدنيا“ کو بھی مراد لیا ہے، پس اگر مسلک جمہور کے برخلاف یہاں اس سے ”ارض الدنيا“ مراد لیں تو پھر آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے قبضہ میں جو ممالک ہیں اللہ کے نیک بندے ایک نہ ایک دن ان کے وارث ضرور بنیں گے اور یہ ممالک فتح ہو کر اہل اسلام کے قبضہ میں آجائیں گے۔

جواب (د)

”عالمین“ کی تفسیر ”الانس والجن“ سے کیوں کی گئی ہے؟:

واضح رہے کہ مفسر علام علیہ الرحمۃ نے آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ”عالمین“ کی تفسیر ”الانس والجن“ سے کی ہے، اس تفسیر سے مفسر نے اس بات کی جانب اشارہ

کیا ہے کہ حضور علیہ السلام صرف نبی الانس نہیں ہیں بلکہ آپ کو نبی الجن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۱۷﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۷۸﴾

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ) أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ (اتَّقُوا رَبَّكُمْ) أَيُّ عِقَابِهِ بِأَنْ تُطِيعُوهُ
(إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ) أَيُّ الْحَرَكَةِ الشَّدِيدَةِ لِلْأَرْضِ الَّتِي يَكُونُ بَعْدَهَا طُلُوعُ الشَّمْسِ
مِنْ مَغْرِبِهَا الَّذِي هُوَ قُرْبُ السَّاعَةِ (شَيْءٌ عَظِيمٌ) فِي إِزْعَاجِ النَّاسِ الَّذِي هُوَ نَوْعٌ مِنْ
الْعِقَابِ (يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ) بِسَبَبِهَا (كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَى) مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ (وَمَا هُمْ بِسُكَرَى وَلَكِنَّ
عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ)۔

(الف) عبارت باعراب لکھ ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) آیت کریمہ میں مذکور زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا یا قیامت کے دن؟
تحریر کریں (د) ”یوم“ کا ناصب کیا ہے اور نشہ سے کیسا نشہ مراد ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اے مکہ وغیرہ کے لوگو اپنے رب سے یعنی اس کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی
اطاعت کرو، بے شک قیامت کا زلزلہ یعنی زمین کی شدید حرکت جو کہ مغرب کی جانب سے طلوع
شمس کے بعد قرب قیامت میں ہوگی لوگوں کو بے قرار کرنے میں بڑی بھاری چیز ہے، اور یہ زلزلہ
بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے، جس روز تم اس کو دیکھو گے اس (زلزلہ) کی وجہ سے ہر دودھ پلانے
والی عورت دودھ پیتے بچہ کو فراموش کر دے گی، اور ہر حمل والی اپنے حمل کو ساقط کر دے گی اور

(اے مخاطب) تو لوگوں کو شدت خوف کی وجہ سے نشہ کی سی حالت میں دیکھے گا حالانکہ وہ (شراب وغیرہ کی وجہ سے) نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ رب العزت کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے قیامت کی ہولناکی کو بیان کر کے اہل مکہ اور تمام انسانوں کو اس سے ڈرنے کی ترغیب دی ہے، اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسانوں! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے اور یہ زلزلہ ایسا ہے کہ جب یہ آئے گا تو دودھ پلانے والی اپنے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ اپنے حمل کو ساقط کر دے گی اور لوگ خوف کی وجہ سے نشہ کی سی حالت میں ہوں گے لیکن یہ نشہ شراب وغیرہ کا نہیں ہوگا بلکہ اللہ کے عذاب کے خوف سے ہوگا بلاشبہ اللہ رب العزت کا عذاب نہایت شدید ہے۔

جواب (ج)

آیت کریمہ میں مذکور زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا یا قیامت کے دن؟:

واضح رہے کہ اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ میں جس زلزلہ کی آمد کا تذکرہ کیا ہے اس کے وقت وقوع میں اختلاف ہے، حضرت علقمہ اور حضرت شعبی سے منقول ہے کہ اس سے وہ زلزلہ مراد ہے جو ایسے وقت میں آئے گا جب قیامت بہت ہی زیادہ قریب ہو چکی ہوگی اور یہ زلزلہ قرب قیامت کی علامت ہوگا، ان حضرات نے یہ قول اس لئے اختیار کیا ہے کہ عین وقوع قیامت کے وقت جو عورتیں قبروں سے نکلیں گی ان کے ساتھ دودھ پیتے بچے ہوں یا ان کے پیٹ میں حمل ہوں یہ کسی واضح دلیل سے ثابت نہیں ہے جبکہ قیامت سے پہلے زلزلہ کا وقوع
Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

آنا متعدد احادیث میں مذکور ہے۔ اس کے برخلاف بعض حضرات نے اس زلزلہ سے وقوع قیامت کا زلزلہ مراد لیا ہے، ان حضرات نے اپنے قول پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ قیامت کا وقوع بھی ایک زلزلہ کی مانند ہوگا اور اسی

کے خوف سے انسان کو نشے کسی حالت طاری ہو جائے گی۔ (انوار البیان ۶/۱۷۹)

جواب (د)

”یوم“ کا ناصب کیا ہے اور نشہ سے کیسا نشہ مراد ہے؟:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں ”یوم“ منصوب ہے، اس کا ناصب کیا ہے؟ اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں جن کو محشی نے تفصیلاً بیان کیا ہے ان میں سے سب سے آسان یہ ہے کہ یہاں ”یوم“.... ”اذکر“ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ (حاشیہ جلالین شریف ۲۷۸)

اور آیت کریمہ میں نشہ شے مراد شراب وغیرہ کا نشہ نہیں ہے بلکہ اللہ رب العزت کے عذاب کی گہراہٹ ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۲ کے﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۷۹﴾

(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى) مَعَهُ (وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ)
لَهُ نُورٌ مَعَهُ (ثَانِي عِطْفِهِ) حَالٌ أَيْ لَا وِي عُنُقَهُ تَكْبُرًا عَنِ الْإِيمَانِ (لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ) عَذَابٌ فَقُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ (وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ
الْحَرِيقِ) أَيْ الْإِحْرَاقَ بِالنَّارِ۔

(الف) عبارت باعراب لکھ ترجمہ کریں (ب) یہ آیات کس کے متعلق نازل ہوئی ہیں اور

یوم بدر سے کیا مراد ہے اور یہ کس تاریخ اور کس سن میں واقع ہوا ہے نیز ”عطف“ کے لغوی معنی کیا ہیں تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اللہ رب العزت کے متعلق اپنے پاس موجود بغیر کسی واقفیت

ودلیل اور بغیر کسی روشن کتاب کے پہلو ہی کرتے ہیں ”ثانی عطفہ“..... ”یجادل“ کی ضمیر سے حال واقع ہے، یعنی ایمان سے بطور تکبر گردن موڑتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) اللہ رب العزت کے راستے سے بہکا دیں، ایسے شخص کیلئے دنیا میں رسوائی کا عذاب ہے، چنانچہ یہ بدر کے دن قتل کر دیا گیا اور قیامت کے دن ہم اس کو آگ میں جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔

جواب (ب)

یہ آیات کس کے متعلق نازل ہوئی ہیں؟:

واضح رہے کہ قرآن کریم کی یہ آیات ابو جہل لعنہ اللہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں، اس ملعون کا اصل نام عمر بن ہشام تھا اور کفار مکہ میں ابو الحکم کے نام سے مشہور تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی غلیظ دشمن تھا اس نے چونکہ حق کو دیکھنے اور پرکھنے کے باوجود قبول نہیں کیا تھا اس لئے اہل ایمان کے مابین اس کا نام ابو جہل چل گیا تھا اور آج تک یہ ملعون اسی نام سے معروف ہے۔

یوم بدر کی مراد، تاریخ اور سن کی تعیین اور ”عطف“ کے لغوی معنی:

واضح رہے کہ یوم بدر غزوہ بدر کے وقوع کا دن مراد ہے، یہ اسلام کا سب سے پہلا غزوہ تھا جس میں اللہ رب العزت نے بے سروسامانی کی حالت میں اپنے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے تابعین کو واضح فتح عطاء فرمائی تھی اور اس وقت کی سپر پاور طاقت کو اسلام کے جیالوں کے ذریعہ شکست سے دوچار کیا تھا، یہ غزوہ ۷/ رمضان المبارک ۲ ہجری کو میدان بدر میں ہوا تھا۔

اور ”عطف“ کے لغوی معنی دائیں یا بائیں جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۳﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۸۰﴾

(وَمَنْ يُّهِنِ اللَّهُ) يُشِقُّهُ (فَمَالَهُ مِنْ مُكْرِمٍ) مُسْعِدٌ (إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ)

مِنُ الْإِهَانَةِ وَالْإِكْرَامِ (هَذَا خَصْمِنِ) أَيُّ الْمُؤْمِنُونَ خَصْمٌ وَالْكَفَّارُ الْخَمْسَةُ خَصْمٌ وَهُوَ يُطَلَّقُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْجَمَاعَةِ (اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ) أَيُّ فِي دِينِهِ (فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ) يَلْبَسُونَهَا يَعْنِي أَحِيطَتْ بِهِمُ النَّارُ (يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ) مِنْ شُحُومٍ وَغَيْرِهَا (وَ) تُشْوَى بِهِ (الْجُلُودُ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ ”ہذان خصمان“ کا شان نزول اور تفسیر تحریر کریں (ج) ”الکفار الخمسة“ سے کیا مراد ہے متعین کریں اور ”هو يطلق على الواحد والجماعة“ کی عبارت کیوں لائی گئی ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

اور جس کو اللہ ذلیل یعنی شقی کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا یعنی سعید کرنے والا نہیں ہے، بلاشبہ اللہ اہانت اور اکرام میں سے جو چاہتا ہے کرتا ہے، یہ دو فریق ہیں ایک فریق مؤمنین کا اور دوسرا کفار خمسہ کا ہے خصم کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، انہوں نے اپنے رب کے یعنی اس کے دین کے بارے میں جھگڑا کیا ہے پس کافروں کے لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے انہی کو وہ پہنیں گے یعنی آگ ان کا احاطہ کرے گی اور ان کے سروں پر مائع جمیم یعنی نہایت شدید گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں یعنی چربی وغیرہ پگھلا دی جائیں گی، اور کھالیں اس گرم پانی کی وجہ سے بھون دی جائیں گی۔

جواب (ب)

آیت کریمہ ”ہذان خصمان“ کا شان نزول:

واضح رہے کہ آیت کریمہ ”ہذان خصمان“ کے شان نزول کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت میدان بدر کے مجاہدین حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت

عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے مد مقابل آنے والے کفار عتبہ، شیبہ بن عتبہ اور ولید بن عتبہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان حضرات نے چونکہ ایک دوسرے کے دین کو برا کہا تھا تو اس کے متعلق اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ نازل فرمائی اور بیان فرمایا کہ اللہ کے یہاں کافروں کیلئے آگ کے کپڑے اور کھولتا ہوا پانی ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اہل کتاب مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ رب العزت کے زیادہ قریب ہیں اس لئے کہ ہماری کتاب تمہاری کتاب سے مقدم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں جبکہ مسلمان خود کو افضل قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تم سے افضل ہیں اس لئے کہ ہم نہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں بلکہ تمہارے نبی پر بھی ایمان رکھتے ہیں، پس اہل ایمان اور اہل کتاب کے اس جھگڑے کے پیش نظر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی اور بیان کیا کہ جو لوگ اللہ رب العزت اور اس کے دین کے سلسلے میں اختلاف کرتے ہیں ان میں سے جو کافر ہیں ان کیلئے آخرت میں آگ کے کپڑے اور کھولتا ہوا پانی ہے جو ان کے پیٹ میں موجود ہر چیز کو بہا ڈالے گا اور ان کے چہرے کی کھال کو بھون کر رکھ دے گا۔

جواب (ج)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے دنیا اور آخرت کی عزت و ذلت اور آخرت میں کفار کو ملنے والے عذاب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اللہ فرماتے ہیں ”وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ“ اور اللہ جسے ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہے اللہ اہانت اور اکرام میں سے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے یعنی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے لیکن جن لوگوں نے اللہ رب العزت کا انکار کیا ہے اور اس کے دین کے متعلق ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے یہ تو قیامت کے دن ذلیل ہی ہوں گے اور دوزخ کے عذاب میں داخل کئے جائیں گے اور

وہاں ان کی جو ذلت ہوگی اس سے بڑی کوئی ذلت نہیں ہے وہاں ان کے لئے آگ کے کپڑے بنائیں جائیں گے اور وہی کپڑے یہ پہنیں گے اور پینے کیلئے ان کو کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا جس سے ان کے پیٹ کی تمام چیزیں گل کر باہر آجائیں گی اور ان کے چہرے کی کھال جھلس جائے گی، حضرت ابو نعیم علیہ الرحمۃ نے حلیہ میں حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ جب دوزخ والے دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو قوم کے درخت سے مدد طلب کریں گے اور اس میں سے کھائیں گے جس سے ان کے چہروں کی کھالیں ادھرٹ جائیں گی، پھر ان پر پیاس کو ڈال دیا جائے گا چنانچہ وہ پانی طلب کریں گے تو ان کو تلچھٹ کی طرح گرم پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی کھالیں پگھل کر گر جائیں گی اسی کو اللہ رب العزت نے آیت کریمہ ”و یصھر بہ ما فی بطونہم والجلود“ میں ارشاد فرمایا ہے، یعنی ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا سب گل جائے گا، اور وہ اس حال میں چلیں گے کہ ان کی آنتیں اور کھالیں گر چکی ہوں گی، پھر ان کو لوہے کے گرزوں سے مارا جائے گا جس کی وجہ سے ان کا ہر ہر عضو الگ ہو جائے گا وہ لوگ ہلاکت اور موت کو پکاریں گے

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

(لیکن انہیں موت نہیں آئے گی)۔

حضرت ابن ابی حاتم نے سدی علیہ الرحمۃ سے روایت کیا ہے کہ (جہنم میں) ایک فرشتہ کافر کے پاس آئے گا جس کے پاس برتن ہوگا جو انتہائی گرم ہوگا جب وہ فرشتہ اس برتن کو اس کے چہرے کے قریب کرے گا تو کافر اس کو ناپسند کرے گا فرشتہ ایک گرز اٹھائے گا جو اس کے پاس ہوگا اور اس کے سر کو مارے گا جس سے اس کافر کا دماغ پھٹ جائے گا، پھر فرشتہ وہ گرم برتن اس کے دماغ میں انڈیل دے گا اور وہ برتن اس کے دماغ سے اس کے پیٹ کی طرف پہنچے گا، اسی کو اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ ”و یصھر بہ ما فی بطونہم والجلود“ میں بیان فرمایا ہے۔

(انوار البیان ۶/۱۸۹)

جواب (ج)

”الكفار الخمسة“ کی مراد اور ”ھو یطلق... الخ...“ ذکر کرنے کی وجہ:

واضح رہے کہ مفسر علیہ الرحمۃ کی عبارت ”الكفار الخمسة“ سے یہود، نصاریٰ، صابی، مجوس اور مشرکین مراد ہیں۔

اور ”ھو یطلق علی الواحد والجماعة“ کی عبارت سے مفسر نے اس بات کی وضاحت کی ہے اللہ رب العزت نے آیت کریمہ میں مؤمن فریق کے مد مقابل مذکورہ چاروں فرقوں کو صیغہ واحد خصم سے تعبیر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ خصم مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۴۷﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۸۱﴾

(وَمَنْ يُعْظَمُ حُرْمَتِ اللَّهِ هِيَ مَا لَا يَحِلُّ انْتِهَاهَا كَه (فَهُوَ) أَى تَعْظِيمَهَا (خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ) فِي الْآخِرَةِ (وَاحِلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ) أَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ (الْأَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ) تَحْرِيمَهُ فِي ”حُرْمَتُ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ“ الْآيَةَ فَالِإِسْتِثْنَاءِ مُنْقَطِعٍ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيمِ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهِ (فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ)۔

(الف) عبارت باعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) ”فالاستثناء منقطع... الخ...“ کی توجیہ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمۃ العبارة:

اور جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا اور یہ وہی وہ چیزیں ہیں جن کی بے حرمتی

کرنا جائز نہیں ہے تو ان کی تعظیم اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک آخرت میں بہتر ہے اور تمہارے لئے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد حلال کر دیا گیا ہے باستثناء ان جانوروں کے کہ جن کی حرمت آیت ”حرمت علیکم المیتة..... الخ.....“ میں بتادی گئی ہے سو یہ مستثنیٰ منقطع ہے اور اس کا مستثنیٰ متصل ہونا بھی جائز ہے اور حرمت موت وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے پس تم بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی گواہی سے بچتے رہو۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے دو حکم بیان کئے ہیں (۱) پہلا حکم یہ بیان کیا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ رب العزت نے قابل حرمت بنایا ہے مثلاً بیت اللہ شریف، قرآن پاک، صفا اور مروہ، عرفات اور مسجدیں وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کی بے حرمتی کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان کا احترام کرنا ہر مسلمان عاقل و بالغ مرد و عورت پر فرض ہے۔

(۲) دوسرا حکم اللہ رب العزت نے اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ آیت کریمہ ”حرمت علیکم المیتة.... الخ....“ میں جن جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کے علاوہ دیگر چوپائے مثلاً گائے، بھینس اور بکری وغیرہ کو ذبح کرنے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے، پس تم بتوں کی گندگی یعنی شرک سے اور جھوٹی گواہی سے بچتے رہو۔

جواب (ج)

”فلا استثناء منقطع..... الخ.....“ کی توجیہ:

واضح رہے کہ مفسر کے قول ”فلا استثناء منقطع..... الخ.....“ کی توجیہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا جملہ ”الامایتلیٰ علیکم“ مستثنیٰ منقطع ہے، بایں وجہ ہے کہ مستثنیٰ ”المیتة، الدم... اور... لحم الخنزیر“ ہیں اور یہ سب چیزیں مستثنیٰ منہ ”الانعام“ کے قبیل سے نہیں ہیں لہذا یہ مستثنیٰ منقطع ہے، اور اس کو مستثنیٰ متصل بھی بنایا جاسکتا ہے بایں طریق کے ”الامایتلیٰ علیکم“

میں ”ما“ سے مراد اس مردار کو لے لیا جائے جو موت کی وجہ سے مرجاتا ہے یا مذبح کو لے لیا جائے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے تو پھر مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کے قبیل سے ہوگا اور یہ استثناء متصل ہو جائے گا۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۵﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۸﴾

(وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى) قَرَأَ (الْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ) قِرَاءَتَهُ مَا لَيْسَ مِنَ الْقُرْآنِ مِمَّا يَرْضَاهُ الْمُرْسَلُ إِلَيْهِمْ وَقَدْ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سُورَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَيْشٍ بَعْدَ ”أَفْرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ“ بِإِلْقَاءِ الشَّيْطَانِ عَلَىٰ لِسَانِهِ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِه تِلْكَ الْعَرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَىٰ۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں (ج) مفسر نے آیت مذکورہ کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کے متعلق جمہور مفسرین کی کیا رائے ہے تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کو یہ قصہ ضرور پیش آیا کہ جب بھی اس نے کچھ پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں ایسا شبہ ڈال دیا جو قرآن میں سے نہیں تھا اور وہ شبہ ایسا ہوتا کہ اس سے مرسل الہم خوش ہو جاتے، چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک مجلس میں سورۃ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے ”افرايتم اللات والعزى ومنات الثالثة الاخرى“ کے بعد علمی میں اپنی زبان پر القاء شیطانی کی وجہ سے ”ملک

الغرائیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی“ پڑھ دیا تھا۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت میں اللہ رب العزت نے اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کے مخالفین جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ان حضرات نے جب بھی اپنے مخاطبین کے سامنے اللہ کی کتاب پڑھی ہے تو شیطان نے ان کی قرأت اور تلاوت کے بارے میں مخاطبین کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈالے ہیں لہذا آپ علیہ السلام کو اس سے کبیدہ خاطر ہونے کو ضرورت نہیں ہے۔ (انوار البیان ۶/۲۹۱ تا ۲۲۰)

واضح رہے کہ مفسر علام نے اس آیت کی تفسیر میں واقعہ غرائیق کو پیش کیا ہے، اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے اس کی تفصیل آئندہ جزیہ کے تحت مذکور ہے، یہاں مفسر کے بیان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، مفسر فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک مجلس میں سورہ نجم کی تلاوت فرمائی، دوران تلاوت جب آپ علیہ السلام آیت کریمہ ”افرئیتم السلات والعزی ومناة الثالثة الاخری“ پر پہنچے تو شیطان نے اس آیت کے بعد آپ علیہ السلام کی زبان مبارک پر یہ کلمات القاء کر دئے ”تلك الغرائیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی“ یہ لات و منات ایسے اونچے درجہ کے بت ہیں جن سے یقینی طور پر شفاعت کی امید کی جاتی ہے، اور حضور علیہ السلام نے لاعلمی میں ان کلمات کو پڑھ بھی دیا جس سے مشرکین بہت خوش ہوئے، پھر جب آپ علیہ السلام نے تلاوت مکمل کر کے سجدہ کیا تو مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے اور تمام مکہ میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی تعریف کی ہے، جب یہ بات مشہور ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آج آپ علیہ السلام نے لوگوں کو ایسی چیز پڑھ کر سنائی ہے جو آپ پر نازل نہیں ہوئی ہے، خلاصہ یہ کہ آپ علیہ السلام کو اس واقعہ سے

بہت تکلیف ہوئی جس پر اللہ رب العزت نے آیت مذکورہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اے محمد! آپ کو اس واقعہ سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم نے جب بھی کسی نبی یا رسول کو مبعوث کیا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے لیکن اللہ شیطان کے اس لقاء کو باقی نہیں رکھتا ہے بلکہ ختم فرما دیتا ہے۔

جواب (ج)

مذکورہ تفسیر کے متعلق جمہور کی رائے ہے؟:

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسر نے جو واقعہ غرائق بیان کیا ہے اس کی حقیقت ہے اور اس کے متعلق جمہور مفسرین کی کیا رائے ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور یہ جمہور محدثین و مفسرین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، بعض حضرات نے اس کو طہرین اور زنادقہ کی ایجاد قرار دیا ہے اور جن حضرات نے اس کو معتبر بھی قرار دیا ہے تو اس کے ظاہری الفاظ سے جو شبہات قرآن و سنت کے قطعی اور یقینی احکام پر عائد ہوتے ہیں ان کے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں لیکن اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(معارف القرآن، شفیع عثمانی ۶/۲۷۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾



﴿سوال ۶﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۸۹﴾

(ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا) اقواما (اٰخِرِيْنَ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اٰجَلَهَا)

بِأَنَّ تَمُوتَ قَبْلَهُ (وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ) عَنْهُ ذِكْرَ الضَّمِيرِ بَعْدَ تَأْنِيثِهِ رِعَايَةً لِّلْمَعْنَى

(ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا) بِالتَّنْوِينِ وَعَدَمِهِ (كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رَّسُولَهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں (ب) آیت کریمہ کی تفسیر تحریر کریں

(ج) ”تسبق“ کا فاعل اور ”تتسرا“ کے لغوی معنی اور نصب کی وجہ تحریر کریں

(د) ”ذکر الضمیر“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمہ العبارة:

پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کیا اور کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے نہ تو آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے بایں طور کہ اپنے وقت مقررہ سے پہلے مرجائے، یہاں مؤنث لانے کے بعد ”یستأخرون“ میں ضمیر کو معنی کی رعایت کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے، پھر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے ”تتسرا“ تنوین اور بغیر تنوین دونوں طرح سے ہے (پس) جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا اور انہوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو ہم نے ہلاکت میں سے ایک کو ایک کے پیچھے لگا دیا اور ہم نے ان کو داستان بنا دیا پس خدا کی مار ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ہیں۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

آیت مذکورہ میں اللہ رب العزت نے بغیر نام لئے امم سابقہ کا ذکر کیا ہے، حاصل ذکر یہ ہے کہ جب انبیاء کی تکذیب کر کے ایک قوم ہلاک ہوئی تو اللہ رب العزت نے اس کی جگہ دوسری قوم کو پیدا کر دیا، اور جو بھی قوم ہلاک ہوئی وہ اپنے مقررہ وقت ہی پر ہوئی ہے کسی کو بھی اس کے متعینہ وقت سے پہلے موت نہیں دی گئی، پھر اللہ رب العزت نے انسانوں کی ہدایت کیلئے لگا تار انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا پس جو لوگ ان پر ایمان لے تو وہ کامیاب ہو گئے اور جو ایمان نہیں لائے تو انہیں اللہ رب العزت نے داستان عبرت بنا ڈالا، اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے

ہیں ان پر اللہ رب العزت کی مار اور پھٹکار ہوتی ہے۔

جواب (ج)

”تسبق“ کا فاعل اور ”تترا“ کے لغوی معنی اور اس کے نصب کی وجہ:

واضح رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور لفظ ”تسبق“ کا فاعل قوم ہے اور ”تترا“ کے لغوی معنی کسی چیز کے لگاتار اور پے درپے ہونے کے ہیں، یہ لفظ اپنی اصل کے اعتبار سے ”وترا“ تھا اس میں واؤ کوتا سے تبدیل کیا گیا ہے، اور یہ ”ارسلنا“ کے مفعول سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

جواب (د)

”ذکر الضمیر“ سے مفسر نے کیا بیان کیا ہے؟:

واضح رہے کہ ”ذکر الضمیر“ سے مفسر نے ایک سوال کو جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”یستاخرون“ ضمیر مذکر لائی گئی ہے جبکہ ”اجلہا“ کے اندر مؤنث کی ضمیر موجود ہے، پس یہ اختلاف ضماں کیسا ہے؟ مفسر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں جناب! ”اجلہا“ بس ”ہا“ ضمیر ”امۃ“ کی جانب راجع ہے اور ”امۃ“ سے قوم مراد ہے جو کہ مذکر ہے پس اسی مذکر کی رعایت کرتے ہوئے ”یستاخرون“ میں ضمیر کو مذکر لایا گیا ہے۔ (انوار الزجاجین ۳۰۷)

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

﴿سوال ۷۷﴾

﴿جلالین شریف ثانی صفحہ ۲۹۴﴾

(الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي) أَي غَيْرَ الْمُحْصَنِينَ لِرَجْمِهِمَا بِالسُّنَّةِ وَأَلْ فِيمَا ذُكِرَ مَوْصُولَةٌ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ وَلِشَبْهِهِ بِالشَّرْطِ دَخَلَتْ الْفَاءُ فِي خَبْرِهِ وَهُوَ (فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ) ضَرْبَةٌ يُقَالُ جَلَدُهُ ضَرْبٌ جَلْدُهُ وَيُزَادُ عَلَى ذَلِكَ بِالسُّنَّةِ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَالرَّقِيقُ عَلَى النُّصْفِ مِمَّا ذُكِرَ (وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ) أَي حُكْمُهُ بَأَنَّ

تَرَكُوا شَيْئًا مِنْ حَدِّهِمَا (إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ)۔

(الف) عبارت با اعراب لکھ ترجمہ کریں (ب) تفسیر مع فوائد تحریر کریں (ج) سوکوڑوں کو ساتھ تغیرب عام کس کا مسلک ہے؟ اور اس سلسلے میں احناف کیا فرماتے ہیں؟ تحریر کریں (د) خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر کریں۔

جواب (الف)

ترجمة العبارة:

زانیہ عورتیں اور زانی مرد جبکہ شادی شدہ نہ ہوں اس لئے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کا رحم کرنا سنت سے ثابت ہے اور ”الزانیة والزانی“ میں الف لام موصولہ ہے اور یہ مبتداء ہے اور اس کے مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے اس کی خبر پر ”ف“ داخل ہے، اور اس کی خبر ”فاجلدو... الخ“ ہے، تو ان میں سے ہر ایک کے سو سو کوڑے مارو، یعنی سو کوڑوں کی مار مارو چنانچہ کہا جاتا ہے ”جلدہ ضرب جلدہ“ اور اس سزا پر ایک سال کی جلا وطنی کو سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے زیادہ کیا جائے گا، اور (زنا کے سلسلے میں) غلام کو مذکورہ سزا میں سے آدھی سزا کی دی جائے گی، اور تم کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں رحم نہیں آنا چاہئے، بایں طور کے تم ان میں سے کسی کی سزا کو ترک کر دو، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

جواب (ب)

تفسیر العبارة:

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے غیر شادی شدہ مرد و عورت کے زنا کرنے کے حکم کو بیان کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی غیر شادی شدہ مرد اور عورت زنا کر لیں تو ان کو سزا دی جائے اور ہر ایک کو سو سو کوڑے ماریں جائیں اور سزا دیتے وقت ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے تاکہ یہ اور ان کے علاوہ اور کوئی کسی کی امانت میں خیانت کی جرأت نہ کر سکے اور ہر کسی کی عصمت و عزت محفوظ رہے۔

قوله: لرجمهما بالسنة....

مفسر علیہ الرحمۃ اپنے اس قول سے ایک سوال کا جواب دیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں غیر شادی شدہ مرد و عورت کے زنا کرنے کی سزا کو بیان کیا ہے لیکن اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کر لیں تو ان کی کیا سزا ہے؟ مفسر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کر لیتے ہیں تو اسلامی شریعت میں ان کی سزا رجم کرنا یعنی دونوں کو پتھروں کے ذریعہ ہلاک کرنا ہے اور یہ سزا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

قوله: وال فیما ذکر موصولة....

یہاں سے مفسر علیہ الرحمۃ نے ارشاد باری ”الزانیة والزانی“ میں الف لام کی تحقیق بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ”الزانیة والزانی“ میں الف لام موصولة بمعنی ”الذی“ ہے اور یہ جملہ مبتداء متضمن بمعنی الشرط ہے اور اس کی خبر آنے والا جملہ ”فجلدوا کل واحد... الخ...“ ہے اور یہ متضمن بمعنی الجزاء ہے اور اسی لئے اس پر ”فا“ داخل ہے۔

قوله: ضربة یقال جلدہ ضرب جلدہ....

اس عبارت سے مفسر نے اللہ رب العزت کے ارشاد ”فجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة“ کی وضاحت کی ہے، مفسر فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں سو کوڑے مارنے سے بعینہ سو کوڑے مارنا مراد نہیں ہے بلکہ سو کوڑوں کی مراد ہے، پس اگر سزا کے وقت کوڑا نہ مل سکے تو اس کے ہم مثل کسی اور چیز سے بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

قوله: ویزاد علی ذالک بالسنة تغریب عام....

غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو اصل سزا سو کوڑے ہیں لیکن اگر جاکم وقت مناسب سمجھے تو ان کی سزا میں ایک سال کی جلا وطنی کو بھی شامل کر سکتا ہے، واضح رہے کہ زانی اور زانیہ کو قرآن کریم میں بیان کردہ سزا کے علاوہ مزید ایک سال جلا وطنی کی سزا حدیث سے ثابت ہے۔

قوله: والرقیق علی النصف....

اس جملہ سے مفسر نے غیر شادی شدہ غلام اور باندی کے زنا کی سزا کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ اگر غیر شادی شدہ غلام اور باندی زنا کر لیں تو آزاد مرد و عورت کی طرح ان کو بھی کوڑوں کی سزا دی جائے گی البتہ فرق صرف یہ ہوگا کہ ان کی سزا آزاد کے مقابلہ میں آدھی ہوگی یعنی انہیں سزا میں پچاس پچاس کوڑیں ماریں جائیں گے۔

جواب (ج)

سو کوڑوں کے ساتھ تغریب عام کی سزا کی کس کا مذہب ہے؟:

واضح رہے کہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سو کوڑوں کی سزا کے ساتھ ایک سال جلا وطنی کی سزا دینا ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے یہ حضرات حضور علیہ السلام کے ارشاد ”السكر بالسكر جلد مائة وتغريب عام“ کے پیش نظر زانی اور زانیہ کو سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ اس سزا کو دینے کے قائل ہیں، جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سو کوڑوں کے ساتھ جلا وطنی کی اس سزا کے قائل نہیں ہیں، آپ کے نزدیک زانی اور زانیہ کی اصل سزا سو کوڑیں ہیں، رہی اس کے ساتھ جلا وطنی کی سزا تو یہ لازم اور ضروری نہیں ہے بلکہ حاکم وقت کی صواب دید پر موقوف ہے اگر وہ مناسب سمجھے اور چاہے تو زانی اور زانیہ کو کوڑوں کی سزا کے ساتھ یہ سزا بھی دے سکتا ہے۔ (حاشیہ جلالین ۲۹۴)

Website: MadarseWale.blogspot.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com

جواب (د)

خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے یا نہیں؟:

واضح رہے کہ احناف کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿تم الجواب بعون الملک الوہاب﴾

(مرتب کی دیگر کتابیں)

۱	الکلام المحمود شرح اردو الموطاء للإمام محمد
۲	الکلام المحمود لحل أسئلة سنن ابی داؤد
۳	الکلام النہائی لحل أسئلة سنن نسائی
۴	مجموع الزکات لحل أسئلة المشکوٰۃ
۵	انوار الفصائل لحل أسئلة الشمائل
۶	تیسیر الوقایہ شرح اردو شرح الوقایہ
۷	انوار الدرر لحل أسئلة نخبة الفکر
۸	العنایہ لحل أسئلة الهدایہ اول
۹	الفوائد لحل أسئلة شرح العقائد
۱۰	النزوات علی الفوائد لحل أسئلة شرح العقائد

ملنے کا پتہ

دارالکتاب دیوبند

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں



ٹییلیگرام چینل

@New Madarsa

<https://t.me/NewMadarsa>

یا ٹیلیگرام گروپ

@New Madarsa Group

<https://t.me/NewMadarsaGroup>



pentone
780-5114

DARUL KITAB

DEOBAND, DIST. SAHARANPUR, U.P. (INDIA) PIN-247554

Mobile: 9412557658, 9997520332 Phone: 01336-222558

Email : nadimulwajidi@gmail.com